عدد ۱، ۲، ۳

وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین (القرآن)

ماہنامہ

میثاق

لاہور

285

فروری ۔ مارچ ۱۹۷۰ء

★

زیر سرپرستی

مولانا امین احسن اصلاحی

★

مدیر اعزازی

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

★

مدیر مسؤل

ڈاکٹر اسرار احمد

ایم۔بی۔بی۔ایس (پنجاب) ایم۔اے اسلامیات (کراچی)

★

یکے از مطبوعات

دار الاشاعۃ الاسلامیۃ لاہور

کوثر روڈ ۔ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور - 1 (فون 69522)

قیمت فی پرچہ : ایک روپیہ

سلسلہ مطبوعات قرآن اکیڈمی نمبر ۲

مُسلمانوں پر

قرآن مجید کے حقوق

ڈاکٹر اسرار احمد
(ایم بی بی ایس - ایم اے (اسلامیات)

یہ رسالہ 'جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے' برادرم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سلمہ نے ان حقوق و فرائض کی تشریح کےمقصد سے لکھا ہے جو ایک مسلمان پر قرآن سے متعلق عاید ہوتے ہیں - اس زمانے میں قرآن پر ایمان کے مدعیوں کی کمی نہیں ہے لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اس ایمان کے تقاضے اور مطالبے کیا ہیں - ڈاکٹر صاحب سلمہ نے قرآن کے دلائل کی روشنی میں ان تقاضوں اور مطالبوں کی تشریح کی ہے اور بیک نظر محسوس ہوتا ہے کہ نہایت خوبی اور نہایت جامعیت کے ساتھ تشریح کی ہے - انداز بیان نہایت دلنشین ، دلائل نہایت محکم اور اسلوب خطاب نہایت ھی موثر اور درد مندانہ ہے - ہر مسلمان جو قرآن کے ساتھ اپنے تعلق کو صحیح بنیاد پر قائم کرنا چاھتا ہے ، اس رسالے میں بہترین رھنمائی پائے گا - اللہ تعالی ڈاکٹر صاحب کے قلم میں برکت دے کہ وہ ایسی بہت سی چیزیں لکھنے کی توفیق پائیں - ہماری بہت سی عزیز امیدیں ان سے وابستہ ہیں - (مولانا امین احسن اصلاحی)

سائز ۸/۲۲ × ۱۸ ، صفحات ۲۷ ، طباعت آفسٹ ، خوشنما کور
قیمت فی نسخہ :-ایک روپیہ
:- شائع کردہ :-

دار الاشاعۃ الاسلامیۃ لاھور

کوئنز روڈ ـ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاھور - 1 (فون 69522)

دعوتِ توثیقِ عہد الست و تجدیدِ میثاقِ ایمان کا علمبردار

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد ۱۷

شمارہ ۱ ، ۲ ، ۳

بابت

جنوری ، فروری ، مارچ ۱۹۷۰ء

زرِ تعاون

★

فی پرچہ ——— ایک روپیہ

سالانہ ——— دس روپے

شرائطِ ایجنسی

ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے

پرچہ صرف بذریعہ وی پی پی ارسال ہوگا

کمیشن ۲۵ فیصد ——— محصول ڈاک بذمّہ 'میثاق'

خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

اشاعت الاسلامیہ کوثر روڈ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور ۱ فون ۶۵۵۲۲

فہرست

★ —— تذکرہ وتبصرہ : —————— اسرار احمدؒ
پاکستان کی موجودہ سیاسی کشمکش ۳

★ —— تدبّر قرآن : —————— مولانا امین احسن اصلاحی
تفسیر سورۂ اعراف (۱) ۱۷

★ —— مقالات
● "چاند اور دوسرے اجرام فلکی تک
انسان کی رسائی اسلامی تعلیمات کے منافی نہیں"
تحریر : شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز
وائس چانسلر، اسلامی یونیورسٹی، مدینہ منوّرہ
ترجمہ : پروفیسر محمد منوّر ۴۳

● قرآن حکیم کا پیغام بنی آدم کے نام
تحریر : پروفیسر یوسف سلیم چشتی ۵۷

● محمد ابن عبدالجبّار ابن الحسن نفری
(م - ۳۵۴) صاحب کتاب المواقف والمخاطبات
تحریر : پروفیسر یوسف سلیم چشتی ۶۵

اسرار احمد

بسمِ اللہِ الرّحمٰنِ الرّحیم

تذکرہ و تبصرہ

میثاق کا یہ شمارہ بھی بہت تاخیر سے شائع ہو رہا ہے۔ ہماری خواہش تھی کہ جنوری فروری کا مشترکہ شمارہ فروری کے شروع میں قارئین تک پہنچا دیں۔ چنانچہ اس پروگرام کے تحت پرچے کی تیاری شروع بھی کر دی گئی تھی۔ لیکن افسوس کہ یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا —— اور اب اسی پرچے کو فروری مارچ کے مشترکہ شمارے کی حیثیت سے پیش کیا جا رہا ہے۔

تاخیر کا اصل سبب تو راقم کی علالت اور ناسازیٔ طبع ہی ہے لیکن اس پر بعض نج کی مصروفیتوں کا اضافہ بھی ہو گیا تھا —— یہ مصروفیتیں تو اگرچہ اب ختم ہو چکی ہیں لیکن طبیعت چونکہ ابھی پوری طرح بحال نہیں ہوئی لہٰذا فی الحال آئندہ کے لئے بھی باقاعدگیٔ اشاعت کا حتمی وعدہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں خود بھی اس صورت حال پر بڑی تشویش ہے لیکن سیدھی سی بات ہے کہ تمام معاملات اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں —— اور ہمیں اس کے فیصلوں پر ہر حال میں صابر و شاکر ہی رہنا چاہیئے —— وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ۔ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ !

فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کی حکومت کو ختم ہوئے اور ملک میں دوسرا مارشل لا نافذ ہوئے ابھی پورا ایک سال بھی نہیں ہوا۔ لیکن حالات اتنے بدل چکے ہیں اور ع "کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی !" کا ایسا نقشہ بندھا ہے کہ موصوف کی حکومت ماضیٔ بعید کا قصہ اور ازمنۂ قدیم کی داستان نظر آتی ہے۔ بالکل یقین نہیں آتا کہ ایک ہی سال قبل یہاں صدر ایوب "کوس لمن الملک" بجا رہے تھے —— اور آنجہانی کنونشن مسلم لیگ ملک کی واحد فعّال اور نمائندہ سیاسی جماعت ہونے کی مدّعی تھی —— !! کہاں آج یہ حال ہے کہ سابق صدر کو کارٹونوں میں سانپ کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے —— اور لیگ کے ٹٹو کے سر سے "کنونشن" کا سینگ ہی سرے سے غائب ہو چکا ہے۔ کتنا عظیم انقلاب ہے —— اور "وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ" کی کیسی کامل تصویر !!

عبرت کی جا ہے کہ وہی لوگ جو کل تک ایوب خاں کے بوٹ کو، تو چاٹتے ہیں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے کوشاں نظر آتے تھے آج انہیں گالیوں سے نواز رہے ہیں ؎

من تو شدم تو من شدی ، من تن شدم تو جاں شدی

تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

ایسے لوگوں سے تو ہمیں کچھ نہیں کہنا، اس لئے کہ ان کا تو اپنا وجود نامسعود ہمارے نزدیک ملک و ملت کے ماتھے کا کلنک کا ٹیکہ ہے ـــــــ سابق صدر کے دور اقتدار کے سیاسی مخالفین سے البتہ ہم یہ ضرور کہنا چاہتے ہیں کہ وہ اب انہیں کوسنا چھوڑ دیں۔ اس لئے کہ سیاسی میدان میں ان کی وفات واقع ہو چکی ہے اور ہمارے دین کی تعلیم یہی ہے کہ " اُذکُروا موتاکُم بالخیر[1] ! " ـــــــ ان کا دور گذر گیا۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا عدالت اخروی میں اس کا حساب کتاب ہو جائے گا ـــــــ تِلکَ اُمَّۃٌ قَد خَلَت لَھا ما کَسَبَت وَ لَکُم مَا کَسَبتُم وَلَا تُسئَلُونَ عَمَّا کَانُوا یَعمَلُونَ[2] ـــــ وہ کامیاب ہوئے یا ناکام ان کا امتحان بہرحال ختم ہو چکا۔ اب امتحان آپ کا ہے، اپنی کامیابی کی فکر کیجئے ؎

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے

پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے !!

خصوصاً ان لوگوں پر تو اس وقت بہت بڑی ذمہ داری عائد ہو گئی ہے جو سابق صدر کی ذات اور ان کی حکومت ہی کو ملک و ملت کے جملہ امراض و علل کا سبب واحد قرار دیتے تھے کہ اب جبکہ وہ میدان سیاست سے ہٹ گئے یا ہٹا دیئے گئے تو منطقی طور پر انہیں جلد از جلد سب مسائل کو حل کر کے دکھا دینا چاہیئے۔ ہماری بھی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس عظیم امتحان میں کامیابی عطا فرمائے۔

اس ایک سال کے عرصے میں پاکستان کی سیاسیات کا جو جدید نقشہ بنا ہے وہ تقریباً وہی ہے جو ہم نے گذشتہ سال جنوری فروری اور مارچ کے شماروں میں "تذکرہ و تبصرہ" کے صفحات میں کھینچا تھا۔ چنانچہ مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہٗ مدیر ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ اپنے ایک حالیہ مکتوب میں تجزیہ فرماتے ہیں :

---

[1] حدیث نبویؐ : اپنے مُردوں کا ذکر خیر ہی کے ساتھ کیا کرو !

[2] سورۂ بقرہ : رکوع ۱۶ : "وہ ایک گروہ تھا جو گذر چکا۔ ان کا کیا ان کے لئے ہے اور تمہارا کیا تمہارے لئے، اور تم سے ان کے کئے کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا !"

"وہاں (پاکستان) سے کوئی اخبار، رسالہ، پرچہ پرزہ نہ آ سکنے کی وجہ سے وہاں کے حالات سے مکمل بے خبری ہے[1] رمضان المبارک میں ہمارے مولانا بنوری مکہ معظمہ پہنچ گئے تھے۔ ان سے اس وقت تک کے حالات خاصی تفصیل سے معلوم ہو گئے تھے اور سن کر قلق اور افسوس ہی ہوا تھا ——— لیکن آپ نے بہت پہلے مستقبل کی سیاسی معرکہ آرائی کا جو نقشہ لکھا تھا، اس کی پوری پوری تصدیق ہو گئی تھی ..."

جنوری ۱۹۶۹ء کے طویل "تذکرہ و تبصرہ" کا جو خلاصہ ہم نے آخر میں درج کیا تھا، اس کے بعض حصے قابلِ توجہ ہیں:-

"پاکستانی سیاست کا وہ دور اب گذر چکا جب سیاست صرف اصحابِ دولت و ثروت کے مشغلے کی حیثیت رکھتی تھی اور گنتی کے چند جاگیردار اور سرمایہ دار (جن میں تازہ اضافہ بعض نو دولتیے صنعت کاروں کا ہوا تھا) اس پر کامل اجارہ داری رکھتے تھے۔ اب یہاں عوامی سیاست کے دور کا آغاز ہو گیا ہے اور وہ دور قریب آیا چاہتا ہے جس کی خبر علامہ اقبال مرحوم نے اپنے ان اشعار میں دی تھی کہ ؎

سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ　　جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

اور ؎　گیا دورِ سرمایہ داری گیا　　تماشہ دکھا کر مداری گیا

پاکستان کی موجودہ بساطِ سیاست کے عناصر اربعہ حسبِ ذیل ہیں: ایک[1] دائیں بازو کے قدیم خاندانی اور پیشہ ور سیاستدان جو اکثر و بیشتر زمینداروں اور سرمایہ داروں کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اگرچہ اس وقت متعدد سرکاری و غیر سرکاری لیگوں میں منقسم ہیں لیکن درحقیقت 'ملت واحدہ' ہیں اور کسی بھی وقت "آ ملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک" کے مصداق باہم متحد ہو سکتے ہیں ——— دوسرے[2] دائیں بازو کی مضبوط مذہبی جماعت ——— جماعتِ اسلامی ——— تیسرے[3] بائیں بازو کی سیاسی جماعتیں جن میں سے کچھ فی الوقت پی ڈی ایم (یا تازہ ترڈی اے سی) میں شامل ہیں اور کچھ اس کے باہر ہیں اور ——— چوتھے[4] بائیں بازو

[1] یہ معاملہ ایسا ہے کہ جس پر کچھ عرض کرنے کو جی چاہتا ہے۔ شاید حکومت کے ذمہ دار لوگوں میں سے کسی کی توجہ اس طرف مبذول ہو جائے ۔ پاکستان سے ہندوستان کے لئے اخبارات و رسائل کی ترسیل پر مکمل پابندی چاہے وہ ہدایا (GIFT PARCELS) کی صورت میں ہوں چاہے اخبارات و رسائل کے باہمی تبادلے (EXCHANGE) کے معروف طریقے پر ——— یقیناً کسی مصلحت قومی و ملی پر مبنی ہوگی اس لئے کہ ع "رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند!" لیکن اس کا یہ پہلو نہایت توجہ طلب ہے کہ اس طرح ملتِ اسلامیہ ہند ذہنی طور پر پاکستان سے بالکل منقطع ہو گئی ہے ——— حتیٰ کہ مولانا محمد منظور نعمانی ایسے اکابر زعمائے ملت تک یہاں کے حالات جاننے کے لئے ترستے رہتے ہیں ——— کیا اس صورتِ حال کے مداوا کی کوئی صورت بھی ممکن نہیں؟

کی مذہبی جماعت جمعیت علمائے اسلام۔

پاکستان کی آئندہ سیاسیات کا اصل محور (A X I S) دائیں اور بائیں بازوؤں کے رجحانات کا تصادم ہوگا اور متذکرہ بالا موجودہ بساط سیاست میں جو گروہ بندیاں اس محور کے علاوہ کسی اور بنیاد پر قائم ہیں یا ابھی قائم ہو رہی ہیں۔ وہ جلد یا بدیر ٹوٹ کر رہیں گی اور نئی صف بندی (ALIGHNMENT) اسی محور کے گرد ہوگی۔

اس ضمن میں سب سے زیادہ قابل حذر لیکن قطعاً یقینی امر یہ ہے کہ دائیں اور بائیں بازو کی بیرونی قوتیں بھی اب پاکستانی سیاست میں پہلے سے کہیں زیادہ دخیل ہوں گی اور اپنے اپنے مفادات کے تحفظ اور اپنے اپنے حلقہ ہائے اثر کے دفاع اور ان میں توسیع کے لئے زیادہ سے زیادہ امکانی حد تک اثر انداز ہونے کی کوشش کریں گی۔"

اگرچہ پاکستان کی تاریخ کے اس عظیم ترین سیاسی ایجی ٹیشن میں جو نومبر ۱۹۶۸ء میں شروع ہوکر بالآخر مارچ ۱۹۶۹ء میں دوسرے مارشل لا کے نفاذ پر منتج ہوا تھا دائیں اور بائیں بازو کے عناصر بہت حد تک گڈمڈ تھے۔ لیکن دو باتیں بالکل واضح تھیں ——— ایک یہ کہ دائیں اور بائیں بازو کے عناصر کی واضح تقسیم کا عمل (POLARISATION) تیزی سے ہو رہا تھا ——— اور دوسرے یہ کہ اس عوامی تحریک میں بائیں بازو کے عناصر کا پلڑا فیصلہ کن طور پر بھاری تھا اور دائیں بازو کے عناصر اپنے آپ کو بالکل ایک مخمصے کی سی کیفیت میں گرفتار پا رہے تھے اور اگر وہ تحریک جاری رہتی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان ایک عظیم انقلاب سے دوچار ہو جاتا۔ جس کی ابتدا بھی کم از کم مشرقی پاکستان میں تو مولانا بھاشانی کی سرکردگی میں ہوگئی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ دائیں بازو کی سیاسی جماعتوں میں سے کسی میں بھی یہ دم خم نہ تھا کہ وہ اس عوامی تحریک کی راہ روک سکتی۔ یہ تحریک رکی تو صرف سابق صدر ایوب کی حکمت عملی سے جس کے لئے صاحب موصوف بالکل بجا طور پر دائیں بازو کی سیاسی جماعتوں کے تشکر و امتنان کے حقدار ہیں!![1]

---

[1] چنانچہ گول میز کانفرنس کے دوران ان جماعتوں کے زعمائے صدر ایوب کی جو مدح و ثنا کی تھی، اس سے یہ قرض کسی حد تک ادا بھی ہوگیا تھا ——— اور اب اگر ان کی اکثریت دوبارہ اپنی تقاریر کو ان پر تیز و تند تنقید سے مزین کرنے لگی ہے ——— تو یہ غالباً ایک مجبوری ہے۔ جس کے لئے وہ معذور ہیں۔ اس لئے کہ :

ع "بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر!"

سیاسی جماعتوں سے افہام و تفہیم اور گفت و شنید پر آمادگی ۔ ڈی اے سی (D A C) کی نمائندہ حیثیت کو تسلیم کرنا اور پھر راؤنڈ ٹیبل کانفرنس (R T C) کا انعقاد ——— ایسے اقدامات کو مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے اس وقت بالکل بجا طور پر "غیر فوجی انقلاب" (CIVILIAN COUP DETAT) سے تعبیر کیا تھا اور واقعہ یہی ہے کہ ان کے ذریعے کم از کم مغربی پاکستان کی حد تک 'انقلاب' کی راہیں مسدود ہو گئی تھیں۔

گول میز کانفرنس کی ناکامی کا پورا الزام شیخ مجیب الرحمٰن کے سر تو خواہ مخواہ لگ گیا حتیٰ کہ بعض نادان لوگوں نے اس کا حصۂ رسدی میاں ممتاز دولتانہ تک بھی صرف اس لئے پہنچا دیا کہ انہوں نے شیخ صاحب موصوف کو گول میز کانفرنس میں شریک کرنے پر اصرار کرنے میں پہل کی تھی ——— ورنہ حقیقت یہ ہے کہ خود شیخ صاحب خالص 'سیاسی' آدمی ہیں 'انقلابی' ہرگز نہیں، اور خود ان کی پشت پر بھی مغرب کے ڈوبتے ہوئے سوج کا سایہ ہے، مشرق کے ابھرتے ہوئے سورج کا نہیں ——— اصل مسئلہ یہ تھا کہ مشرقی پاکستان میں مولانا بھاشانی ایسے عظیم 'انقلابی' آدمی نے عوامی ایجی ٹیشن کی باگ ڈور سنبھال لی تھی ——— اور شیخ صاحب خوب جانتے تھے کہ اگر وہ راولپنڈی میں کچھ لے دے کر سودا کر لیں تو پلٹن میدان تک پہنچنا تو دور کی بات ہے، ڈھاکہ کے ہوائی اڈے پر اترنا ہی محال ہو جائے گا۔

بہر حال متذکرہ بالا "غیر فوجی انقلاب" مشرقی پاکستان کے لئے ناکافی ثابت ہوا، اور وہاں عوامی تحریک کو روکنے کے لئے سابق صدر ایوب کو پہلے آئندہ کے لئے صدارتی الیکشن میں حصہ نہ لینے کے فیصلہ کا اعلان، پھر اگرتلہ سازش کیس کی واپسی ایسی گراں قیمتیں ادا کرنے کے بعد بھی اس کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا کہ خود حکومت سے دست بردار ہو کر نظم و نسق اور امن و امان کے قیام کی ذمہ داری فوج کے حوالے کر دیں ——— اور اس طرح انہیں بالآخر ملک کو دوبارہ فوج کے سپرد کرتے ہی بنی ——— !! اور پاکستان دوسرے مارشل لا کی آہنی گود میں چلا گیا۔

مارشل لا کے نفاذ کے بعد کچھ عرصہ کومگو (S U S P E N C E) کی کیفیت طاری رہنا فطری تھا — جس کے دوران عوامی ایجی ٹیشن بالکل فرد ہو گیا اور پاکستان کے مشرقی اور مغربی دونوں خطوں میں پُرسکون کیفیت پیدا ہو گئی۔ نتیجۃً دائیں بازو کے 'سیاست دانوں' کو بھی سکھ چین کا سانس لینا نصیب ہوا، اور انہوں نے بھی بند کمروں، کوٹھیوں کے باغیچوں اور آراستہ پیراستہ ہوٹلوں میں منعقد ہونے والی پریس کانفرنسوں میں چہکنا شروع کر دیا۔

اس کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ ملکی سیاست کے میدان میں دائیں اور بائیں بازو کے کیمپوں کی واضح

تشکیل کا عمل (POLARISATION) بھی وقتی طور پر معطل ہو گیا ——— :

ادھر نئے صدر مملکت اور چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر آغا محمد یحییٰ خاں نے کُل چھ سات ماہ کے عرصے میں ملک کی اس سیاسی و آئینی گاڑی کو جو پٹڑی سے اتری ہوئی ہے دوبارہ راستے پہ ڈالنے کی غرض سے پُرامن انتقال اقتدار کے واضح اقدامات کا متعین پروگرام اور ٹائم ٹیبل سمیت اعلان کر کے اپنے سر سے پورا الزام اتار پھینکا۔ اور ایک انگریزی محاورے کے مطابق گیند کو قطعی طور پہ عوام کے پالے میں پہنچا دیا ——— اس طرح "سیاست دانوں" کے لئے تو راہیں ایک دم کشادہ ہو گئیں لیکن " انقلابی" لوگ بالکل اسی طرح کے مخمصے میں پھنس کر رہ گئے جس طرح کے مخمصے میں عوامی ایجی ٹیشن کے دوران دائیں بازو کے سیاست دان پھنس گئے تھے۔

پاکستان کی بائیں بازو کی قوتوں کے بارے میں جنوری ۱۹۶۹ء میں ہم نے یہ رائے ظاہر کی تھی :-

"مشرقی پاکستان میں مولانا بھاشانی اس کی ایک عظیم علامت ہیں اور مغربی پاکستان میں یوں تو اس کے کئی ایک دھڑے ہیں لیکن اس کی اصل علامت کی حیثیت بلاشبہ مسٹر بھٹو کو حاصل ہو گئی ہے اور اگرچہ ان دونوں کے مابین اشتراکِ عمل کی کوئی واضح صورت تاحال سامنے نہیں آئی۔ تاہم یہ ایک یقینی امر ہے کہ عنقریب ان دونوں میں اتحاد کی صورت پیدا ہو جائے گی اور پھر یہ بائیں بازو کا وہ اصل مرکز (NUCLEUS) ہوگا جس کے گرد ملک کے تمام سوشلسٹ عناصر حتیٰ کہ معتدل مزاج (یا عام اخباری اصطلاح کے مطابق ماسکو نواز) طبقے بھی جو اس وقت پی ڈی ایم کے ساتھ ہیں، جلد یا بدیر جمع ہونے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

ان میں سے مولانا بھاشانی اور ان کے گروہ نے تو تاحال الیکشن میں حصہ لینے کا اعلان بھی نہیں کیا اور وہ برملا کہہ رہے ہیں کہ الیکشن کی کوئی اہمیت سرے سے ہے ہی نہیں اصل مسئلہ روٹی کا ہے ——— جسے ووٹ سے قبل حل ہونا چاہیئے۔ مغربی پاکستان میں مسٹر بھٹو اگرچہ الیکشن میں حصہ لینے کا اعلان کر چکے ہیں لیکن یہ بھی غالباً یہاں کی عام فضا کے زیر اثر ہے ورنہ ان کی اکثر تقریروں کا ٹیپ کا بند یہی ہوتا ہے کہ پاکستان اس وقت جن مسائل سے دوچار ہے ان کی نوعیت فی الاصل سیاسی نہیں معاشی ہے ——— بایں ہمہ چونکہ حکومت وقت کا موقف بالکل منطقی اور اتنا صاف ہے کہ جس پر کسی براہ راست چوٹ (FRONTAL ATTACK) کی گنجائش نہیں لہذا بائیں بازو کی قوتیں اس وقت بالکل " نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن " کی سی صورت حال سے دوچار ہیں۔ اور الیکشن کے بارے میں ان کا رویّہ ع " صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں " کا مصداق بن کر رہ گیا ہے۔

ویسے بھی سیدھی سی بات ہے کہ "سیاسی سرگرمی" کی نوعیت کچھ اور ہوتی ہے اور "انقلابی جد و جہد" کے تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں ——— اور الیکشن کو جہاں ایک طرف سیاسی سرگرمی کے نقطۂ عروج کی حیثیت حاصل ہوتی ہے، وہاں ایک انقلابی کارکن کے نقطۂ نظر سے وہ کھیل تماشے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کے نزدیک اس کی اصل حیثیت ایک گلے سڑے نظام کے عفونت بھرے سنڈاس کی ہوتی ہے۔ بقول علامہ اقبال :

الیکشن، ممبری، کونسل، صدارت بنائے خوب آزادی نے پھندے
اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

پاکستان کے سیاسی میدان میں اس وقت دو گروہ تو ایسے ہیں جو "انقلاب" کے علمبردار ہونے کے مدعی ہیں یعنی ایک بائیں بازو کے عناصر جو سوشلسٹ انقلاب کے علمبردار ہیں اور دوسری جماعت اسلامی جو اسلامی انقلاب کی علمبرداری کا ادعا کرتی ہے۔ باقی تمام عناصر خالص سیاسی مزاج کے حامل ہیں جن میں سے کچھ قومی سیاست کے علمبردار ہیں، ایک گروہ خالص مذہبی سیاست کا دعوے دار ہے اور بقیہ علاقائی نیشنلزم کا پرچم اٹھائے ہوئے ہیں بائیں بازو کی قوتوں میں سے بھی ہمارے نزدیک خالص اور ٹھیٹھ انقلابی مزاج صرف مولانا بھاشانی کی نیشنل عوامی پارٹی کا ہے اور اگرچہ فی الوقت انہوں نے بھی شیخ مجیب الرحمٰن کے بنگلہ نیشنلزم کے نعرے کا مقابلہ کرنے کے لئے پاکستانی قوم پرستی کا راگ الاپنا شروع کر دیا ہے۔ تاہم حقیقت یہی ہے کہ وہ اوّل و آخر خالص سوشلسٹ انقلاب کے داعی ہیں۔ رہے مسٹر بھٹو تو وہ بائیں بازو کی جانب فیصلہ کن رجحان رکھنے کے باوجود "انقلابی" سے زیادہ 'سیاسی' مزاج کے حامل ہیں۔ بنا بریں اگرچہ اسلام پر تو ان کی کرم فرمائی صرف شدید ضرورت کے تحت اور وہ بھی برائے نام ہی ہوتی ہے۔ تاہم پاکستانی قوم پرستی کا عنصر ان کی تحریک میں ایک مستقل جزو کی حیثیت سے شامل ہے ——— یہی وجہ ہے کہ مولانا بھاشانی اور ان کی جماعت نے نہ صرف یہ کہ تا حال الیکشن میں حصہ لینے کا فیصلہ نہیں کیا بلکہ گمان غالب یہی ہے کہ وہ الیکشن کا مقاطعہ کر کے 'تحریک' کا راستہ اختیار کریں گے اور کسی نہ کسی راہ سے کوئی عوامی ایجی ٹیشن برپا کرنے کی کوشش کریں گے ——— اور خود مسٹر بھٹو بھی الیکشن میں حصہ لینے کے اعلان اور اس کی بھرپور تیاری کے ساتھ ساتھ 'تحریک' کی راہ بھی کھلی رکھے ہوئے ہیں اور ایسا آتش گیر مواد بھی جا بجا چھڑکتے چلے جا رہے ہیں جو "بوقت ضرورت" کام آسکے اور جس سے کسی مناسب موقعہ پر کسی عوامی ایجی ٹیشن کا دھماکہ پیدا کیا جا سکے!

رہی جماعت اسلامی تو اس کے بارے میں چونکہ ہماری مستقل رائے یہ ہے کہ اس کی ابتدا تو ضرور ایک انقلابی جماعت کے انداز میں ہوئی تھی لیکن اب اس کا مزاج خالص سیاسی ہے لہٰذا اس کا ذکر ہم بعد میں کریں گے ——— یہاں صرف اس قدر اشارہ کافی ہے کہ اپنے اسی سیاسی مزاج کے ناگزیر تقاضے کے تحت جماعت

اسلامی بھی نہ صرف یہ کہ الیکشن کے دنگل میں شرکت کے لئے پورے زور شور کے ساتھ لنگر لنگوٹے کس رہی ہے —— بلکہ اس کے نزدیک الیکشن ہی ملک و ملت کے جملہ مسائل کا واحد حل ہے۔

اصل سیاسی قوتوں میں سے، جیساکہ اوپر عرض کیا گیا، کچھ قومی سیاست کے علمبردار ہیں۔ اور نہ صرف پاکستانی قوم پرستی بلکہ کسی حد تک جذبۂ ملّی کا پرچم بھی اٹھائے ہوئے ہیں۔ لہٰذا فطری طور پر ان کے نعروں میں اسلام اور نظریۂ پاکستان کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ چاہے ان کے رہنماؤں کی زندگیوں میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ایسے بنیادی شعائرِ اسلام تک کا دُور دُور تک کوئی نام و نشان نظر نہ آئے۔ یہ عناصر در اصل تحریک مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے اصل وارث ہیں اور فی الوقت پی ڈی پی اور مسلم لیگ کے ان متعدد دھڑوں پر مشتمل ہیں جن کے مابین بعض سیاسی پہلوانوں کی شخصیتوں کے تصادم کے سوا اور کوئی چیز مابہ الاختلاف موجود نہیں —— دوسرا گروہ جو آل پاکستان سطح پر سیاست میں حصہ لے رہا ہے جمعیت علمائے اسلام کا ہے جو نظریۂ پاکستان سے زیادہ اسلام کا علمبردار ہے اور جس کا اسلام کے ساتھ مخلصانہ تعلق بھی ظاہر و باہر ہے —— لیکن فی الوقت بائیں بازو کی قوتوں کا ساتھ دینے کی وجہ سے کفر تک کے فتووں کا ہدف بن رہا ہے —— اس گروہ کے بارے میں بھی ہم بعد میں تفصیل سے کلام کریں گے۔

باقی سیاسی جماعتیں علاقائی رجحانات کی حامل ہیں۔ جو اپنے اپنے علاقوں کی تہذیب، زبان، کلچر، مالی مفادات اور سیاسی معاشی حقوق کے تحفظ کے نعروں کے سہارے اقتدار کی جنگ جیتنا چاہتی ہیں —— ان میں سب سے بڑی اور سب سے زیادہ با اثر جماعت شیخ مجیب الرحمان کی عوامی لیگ ہے جو بنگلہ نیشنلزم اور مشرقی بنگال کے معاشی و سیاسی حقوق کی بازیافت کی تحریک کا پرچم اٹھائے ہوئے ہے۔ اور اس وقت بلاشک و شبہ مشرقی پاکستان کی سب سے بڑی "سیاسی" قوت ہے۔ دوسرے نمبر پر عبدالولی خاں کی نیپ ہے جو سرحد اور بلوچستان میں علاقائی نیشنلزم کو ہوا دے رہی ہے۔ اور کراچی اور مشرقی پاکستان میں مزدوروں اور کسانوں کے مفادات کا دم بھر رہی ہے۔ تیسرے نمبر پر جی ایم سیّد اور ان کا سیاسی ٹولہ ہے جو سندھ میں سندھی نیشنلزم کی آگ بھڑکا رہا ہے —— ان تمام دھڑوں کے مابین ایک قدر تو مشترک ہے۔ یعنی علاقہ پرستی اور ریجنل نیشنلزم (REGIONAL NATIONALISM) لیکن ایک اہم پہلو مابہ الامتیاز بھی ہے۔ یعنی یہ کہ جب کہ شیخ مجیب الرحمان اور ان کی عوامی لیگ پرانے اور پختہ کار RIGHTIST ہیں، بقیہ تمام کے تمام کم از کم معتدل حد تک ضرور LEFTIST ہیں۔

ان اختلافات کے علی الرغم جہاں تک مذکرہ بالا سیاسی گروہوں کا تعلق ہے اس پرانے اور صدفی صد درست مقولے کے مطابق کہ "سیاست میں کوئی چیز آخری اور حتمی نہیں ہوتی!" ان کے مابین جوڑ توڑ، کسر و انکسار اور

"ادھر سے کٹ ادھر جڑ" کے عمل کا مستقلاً جاری رہنا بالکل طبعی اور فطری امر ہے اور اس پر خواہ مخواہ ناک بھوں چڑھانے اور واویلا کرنے سے کچھ حاصل نہیں ——— البتہ یہ ظاہر ہے کہ کچھ مہلت عمر صرف اس اتحاد اور اتفاق کو مل سکتی جو چاہے کتنا ہی جزوی سہی بہر حال کسی نہ کسی قدرِ مشترک کی بنیاد پر قائم ہو ——— مثلاً دولتانہ اور مجیب کے مابین چاہے قومی اور علاقائی سطح کا فرق موجود ہو، دائیں بازو کی قدرِ مشترک بھی موجود ہے۔ چنانچہ ان کے مابین مفاہمت اگر ہو چکی ہے تو کسی قدر پائیدار بھی ثابت ہوگی اور اگر نہیں ہوئی تو کسی بھی وقت ہو سکتی ہے لیکن جی ایم سید سے دولتانہ کا اتحاد بالکل بے بنیاد تھا اور اسے ختم ہی ہو جانا چاہیئے تھا۔ دوسری طرف سید اور مجیب کے مابین علاقہ پرستی کی قدرِ مشترک موجود تھی جس کی بنا پر اتحاد ہو گیا۔ اور یہ پائدار بھی ثابت ہوگا، وقس علیٰ ہذا۔

الغرض پاکستان کے سیاسی میدان میں اس وقت ایک جماعت خالص انقلابی ہے۔ یعنی مولانا بھاشانی کی نیپ۔ تین جماعتیں نیم مقصدی اور نیم سیاسی ہیں۔ یعنی جماعت اسلامی، جمعیت علماء اسلام اور پاکستان پیپلز پارٹی۔ ان سے مقدم الذکر دونوں مذہبی رنگ کی حامل ہیں[1] جبکہ تیسری اس اعتبار سے بالکل بیرنگ ہے ——— اور موخر الذکر دونوں بائیں بازو سے تعلق رکھتی ہیں، جبکہ پہلی EXTREME RIGHTIST ہے ——— بقیہ تمام جماعتیں خالص سیاسی ہیں چاہے پاکستانی قومیت کی علمبردار ہوں چاہے علاقائی نیشنلزم کی۔

مذکورہ بالا جماعتوں کے علاوہ کچھ اور گروپ بھی سیاسی میدان میں برسرِ عمل ہیں۔ مثلاً ایک ایر مارشل اصغر خاں جو اپنی ذات ہی میں ایک انجمن ہیں اور اب تک تو کٹی ہوئی پتنگ کے مانند اِدھر اُدھر پھر رہے تھے لیکن اب "تحریک استقلال" کے اجرا کے عزم کے ساتھ از سرِ نو سامنے آئے ہیں ——— ان کے علاوہ کچھ مذہبی گروپ ہیں جن کی اپنی تو کوئی خاص سیاسی اہمیت نہیں۔ لیکن اس اعتبار سے خاصی اہمیت ہو گئی ہے کہ ان سب کا متفقہ وزن دائیں بازو کے پلڑے میں پڑ رہا ہے، ہماری مراد مرکزی جمعیت علماء اسلام، مرکزی جمعیت اہل حدیث اور جمعیت علمائے پاکستان وغیرہ مذہبی گروہوں سے ہے۔ ان کے سیاسی موقف پر ہم آئندہ اظہارِ خیال کریں گے۔

پاکستان میں آئندہ حالات کیا رُخ اختیار کریں گے؟ ——— اس سوال کے جواب کا کلی انحصار اس

---

[1] اگرچہ دونوں کے مذہبی رنگ میں بھی بڑا فرق و تفاوت ہے: جماعت اسلامی کا مذہبی رنگ ہلکا اور سطحی ہے۔ اور قدامت پسندی اور جدت پسندی کا ملغوبہ جبکہ جمعیت علماء اسلام کا مذہبی رنگ نہایت گہرا بھی ہے اور خالص قدیم اور روایتی بھی۔

امر یہ ہے کہ آیا بائیں بازو کی اصل قوتیں مستقبل قریب میں کسی انقلابی تحریک اور عوامی ایجی ٹیشن کے اجراء کا انتہائی اقدام کر گزرتی ہیں یا نہیں ——— مولانا بھاشانی کے بارے میں ہم اوپر عرض کر آئے ہیں کہ اس وقت ان کی حالت اُس شیر کی سی ہے جو نرغے میں آ گیا ہو اور کسی راستے کی تلاش میں دیوانہ وار اِدھر اُدھر دوڑ رہا ہو۔ چنانچہ وہ کبھی پاکستان کی سالمیت کی دہائی دیتے ہیں کبھی "خلافتِ ربّانیہ" کا نعرہ لگاتے ہیں اور کبھی "اسلامی ثقافتی انقلاب!" کا راگ الاپتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ تا حال انہیں کوئی "مخرج" نظر نہیں آیا۔ تاہم چند اسباب کی بنا پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ جیسے تیسے کسی نہ کسی بہانے کوئی نہ کوئی انتہائی اقدام کر گزریں گے اس لئے کہ نرغے میں آئی ہوئی تو بلی بھی شیر ہو جاتی ہے اور ایک DESPERATE انسان سے کچھ بھی بعید نہیں ہوتا۔ پھر مولانا بھاشانی عمر کی اس حد کو بھی پہنچ چکے ہیں جہاں مزید انتظار کی گنجائش مشکل ہی سے رہ جاتی ہے ——— دوسری طرف مسٹر بھٹو کو بھی صاف نظر آ رہا ہے کہ الیکشن میں ان کے لئے کم از کم اس بار کوئی موقع نہیں اور کسی عوامی ایجی ٹیشن کی صورت میں ان کے CHANCES الیکشن کی نسبت بہرحال زیادہ ہیں چنانچہ جیسا کہ ہم عرض کر چکے وہ الیکشن کی تیاری کے ساتھ ساتھ پاکستان کی خارجہ حکمت عملی میں "SHIFT" اور خصوصاً پاک چین دوستی، ہند و پاک جھگڑے اور قضیے اور پاکستان اور امریکہ کے تعلقات ایسے مسائل کو بھی چھیڑ رہے ہیں اور کبھی کسی مرکزی وزیر کو بر سرِ عام للکار کر اور کبھی لائسنسوں اور پرمٹوں وغیرہ کی بندر بانٹ کا تذکرہ کر کے پُرسکون سیاسی فضا میں تلاطم کی لہریں اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مزید برآں "تاشقند کا بلّا" بھی ابھی ان کے تھیلے میں محفوظ ہے۔

اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اس وقت زیرِ ترقی ممالک کی اکثریت جن حالات سے دوچار ہے ان کے پیشِ نظر خصوصاً ایسے ملکوں میں جہاں سیاسی خلا بھی پایا جاتا ہو، کسی عوامی ایجی ٹیشن کا برپا کر دینا کوئی مشکل کام نہیں ———!!

عوام کی زندگی جس طرح دن بدن اجیرن ہوتی چلی جا رہی ہے اس کی بنا پر عوام تو ع "دیوانہ را ہوئے بس است!" کے مصداق بس اس کے منتظر ہوتے ہیں کہ کوئی ذرا ہمت اور جرأت سے کام لے کر ایک بار کوئی دور دار نعرہ لگا دے۔

اور جہاں تک ہمت و جرأت کا تعلق ہے مسٹر بھٹو تو ماضی قریب ہی میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ان میں چاہے اور کسی چیز کی کتنی بھی کمی کیوں نہ ہو، ہمت و جرأت کی ہرگز کوئی کمی نہیں ——— رہے مولانا بھاشانی تو ان کا بھی پورا سیاسی کیریئر جرأت اور ہمت کی مثالوں سے بھرا پڑا ہے ———!!

بنا بریں پاکستان کے سوشلسٹ عناصر کی جانب سے کسی انقلابی اقدام کا امکان ہرگز خارج از بحث،

نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ بحالاتِ موجودہ بہت متوقع ہے !!!

لیکن اگر ایسا ہو گیا تو ـــــ ایک طرف تو اس کا نتیجہ ہمارے نزدیک ایک بہت بڑے خون خرابے کی صورت میں ظاہر ہو گا جو مغربی پاکستان میں تو چاہے زیادہ ہولناک نہ ہو، مشرقی پاکستان میں بالکل انڈونیشیا کے پیمانے پر ہو گا جس کے نتیجے میں پاکستان کا وجود تک سخت خطرے سے دوچار ہو سکتا ہے ـــــ اور دوسری طرف ایسے کسی اقدام سے ہمارے نزدیک بحالاتِ موجودہ سوشلسٹ عناصر کی کامیابی کے امکانات بھی بہت کم ہیں اس لئے کہ ان کا مقابلہ بیک وقت دو طاقتوں سے ہو گا۔ ایک طرف حکومت وقت ہو گی اور وہ بھی سیاسی نہیں فوجی جو امن و امان کو برقرار رکھنے کے فرض کو ادا کرے گی اور دوسری طرف مخالف سیاسی قوتیں ہوں گی جن کو اس طرح آپ سے آپ گویا حکومت کا کور بھی حاصل ہو جائے گا ـــــ اور پاکستان کے سوشلسٹ عناصر ابھی اتنے طاقتور بہر حال نہیں ہیں کہ ایسی دو طرفہ جنگ لڑ کر بھی کامیاب ہو جائیں۔

لھذا ہماری استدعا پاکستان کے سوشلسٹ عناصر سے یہی ہے کہ وہ اس آگ سے کھیلنے کی کوشش نہ کریں بلکہ سیدھی طرح سیاسی میدان میں اپوزیشن کا معروف کردار اختیار کر کے ایک مضبوط اور پیہم سیاسی عمل کے ذریعے رائے عامہ کو ہموار کریں ـــــ اور اس طرح ملک کے سیاسی و معاشی ڈھانچے میں وہ تبدیلیاں برپا کرنے کی کوشش کریں جو انہیں مناسب اور ضروری معلوم ہوں۔

لیکن چونکہ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اوّل تو ہماری اس درخواست کا اس کیمپ کے اکابرین کے کانوں تک پہنچنا ہی بہت مشکل ہے اور اگر یہ مرحلہ بھی کسی طرح سر ہو جائے تو اس کی "قبولیت" کا امکان بہت کم ہے لہذا ہم اللہ تعالٰی ہی سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان حضرات کو تحمّل اور بردباری کے ساتھ غور و فکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور پاکستان کو بد امنی، انتشار، فتنہ و فساد اور خون خرابے کے اس خطرے سے بچا لے جو آج عین اس کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے ـــــ !!

اور اگر یہ صورت پیدا ہو گئی ـــــ اور پاکستان کی بائیں بازو کی قوتیں "آخری مقابلے" کو کسی اور موقع کے لئے مؤخر کر کے فی الوقت صرف سیاسی جد و جہد پر قناعت کرنے پر آمادہ ہو گئیں تو اگرچہ نظریاتی بحث مباحثہ (IDEOLOGICAL DEBATE) کی گرما گرمی تو پھر بھی باقی رہے گی لیکن ظاہر ہے کہ اصلاً سارے کا سارا کھیل خالص سیاسی نوعیت کا رہ جائے گا اور مختلف سیاسی جماعتوں کے مابین "کچھ دے کچھ لے" کے اصول پر کسر و انکسار کے ذریعے معاملات طے ہو جائیں گے۔ اس صورت میں حکومت جو بھی بنے گی بہر حال دائیں بازو کے عناصر پر مشتمل ہو گی اور بائیں بازو کو فی الحال صرف اپوزیشن کی پوزیشن پر اکتفا کرنا ہو گا۔

خالص سیاسی نقطۂ نظر سے ہمارے نزدیک اس وقت مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمان اور ان کی عوامی لیگ کو فیصلہ کن قوت حاصل ہے اور مغربی پاکستان کے دائیں بازو کے عناصر کو انہیں چاہے ناگزیر برائی (INEVITABLE EVIL) کی حیثیت ہی سے سہی، بہرحال قبول کرلینا چاہیئے ——— اس لئے کہ بالآخر ان کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار بھی نہیں رہ جائے گا اور ؎

ہر چہ دانا کند، کند ناداں
لیک بعد از خرابیٔ بسیار!!

کے مصداق ان کا اس وقت کا سب و شتم بعد میں نقصان دہ ہی ثابت ہوگا مفید نہیں! ——— اس اعتبار سے ہمارے نزدیک مسٹر دولتانہ کی سیاسی حکمت عملی بہت صحیح ہے اور وہ لوگ سخت غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں جو حد سے زیادہ بڑھی ہوئی مجیب دشمنی کے جوش میں خود مسٹر دولتانہ کو بھی مسلسل رگڑے چلے جا رہے ہیں۔

دوسری طرف مغربی پاکستان میں بھی اگرچہ دائیں بازو کی سیاسی قوت تو بہت زیادہ منتشر و منقسم ہے لیکن شخصی اعتبار سے واقعہ یہ ہے مسٹر دولتانہ کے قد کاٹھ (STATURE) کا کوئی دوسرا سیاست دان ریٹائرڈ لوگوں میں ہو تو ہو کم از کم میدان میں موجود نہیں۔ اس اعتبار سے "نظریۂ پاکستان" کی علمبردار تمام جماعتوں کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ ان کی شخصیت کو ذہنی طور پر قبول (RECONCILE) کرنے کا کڑوا گھونٹ جیسے تیسے بھر ہی لیں اور ماضی کی تلخ یادوں کو بھلا کر ان سے مفاہمت کرلیں۔ خاص طور پر لیگ ہائے ثلاثہ کو تو، اگر وہ واقعتہ" اپنے مبینّہ اغراض و مقاصد اور نظریات کے ساتھ مخلصانہ تعلق رکھتی ہیں، شخصیتوں کے تصادم سے صرف نظر کر کے ان کی ذات پر جمع ہو ہی جانا چاہیئے ——— ہماری رائے میں آجکہ تی کنونشن مسلم لیگ کا وہ دھڑا جس کی قیادت بظاہر فضل الٰہی چوہدری لیکن درحقیقت سابق صدر ایوب ہی کے ہاتھ میں ہے غالباً جلد ہی اس "نوشتۂ دیوار" کو پڑھ لے گا ——— رہے خان قیوم تو ان کا معاملہ خالص ذاتی نوعیت کا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ آل پاکستان سطح پر "ابھرنے" کی غرض سے ہر قیمت پر دولتانہ کو گرانے کی کوشش کی بجائے اپنی تمام قوتیں اور توانائیاں صرف سابق صوبہ سرحد میں علاقہ پرستی کے رجحانات کے مقابلے کے لئے وقف کر دیتے لیکن ع "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!" ——— اسی طرح کاش کہ پی ڈی پی کے مختلف عناصر میں بھی شخصی سطح سے ابھر کر ملک و ملت کے وسیع تر مفادات کے پیش نظر حقائق کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

رہی جماعت اسلامی اور پیپلز پارٹی تو ہمارے نزدیک اگر ملک کی گاڑی سیاسی پٹڑی پر چلتی رہی، اور الیکشن منعقد ہونے کی نوبت آ ہی گئی تو ؎

"ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی، نغمۂ شادی نہ سہی"

کے مصداق الیکشن کی ساری رونق تو انہی کے دم سے ہوگی اور سارا شور و شغب اور ہنگامہ بلکہ سرپھٹول بھی ان ہی کے مابین ہوگا۔ لیکن انتخابات کے نتائج میں ان دونوں ہی کو شاید دو دو چار چار سیٹوں سے زیادہ کچھ ہاتھ نہ آسکے ——— واللہ اعلم

واضح رہے کہ مندرجہ بالا تمام گفتگو خالص سیاسی نقطہ نظر سے تھی ——— اور اس میں ہم نے حتی الامکان ایک غیر جانب دار مبصر کی حیثیت سے واقعی صورت حال کا مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے جس میں ہماری پسند یا ناپسند کو قطعاً کوئی دخل نہیں ہے

جہاں تک ہماری ذات کا تعلق ہے، ہمیں اصل دلچسپی تو اگرچہ صرف دین و مذہب اور اس کے مستقبل سے ہے تاہم چونکہ پاکستان نہ صرف یہ کہ اسلام کے نام پر بنا ہے بلکہ ہمیں فی الواقع یہ محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان کا قیام اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی خدائی تدابیر کے سلسلے کی ایک اہم کڑی کی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا ہمیں دل سے اس کا بقا و استحکام بھی مطلوب ہے ——— اور سیاسی جماعتوں میں سے فطری طور پر ریجنل نیشنلزم کے علمبرداروں کے مقابلے میں ہماری ہمدردیاں ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو "نظریہ پاکستان" کے علمبردار ہیں اور اسلام کا نام بھی لیتے ہیں۔ چاہے اس کی حیثیت زبانی جمع خرچ سے زیادہ کچھ نہ ہو ——— دوسری طرف جو تحریکیں معاشی بے اعتدالیوں اور ناانصافیوں کے مداوا کے طور پر "اجتماعی معیشت" کی علمبردار بن کر اٹھ رہی ہیں۔ انہیں بھی ہم نہ دشمن پاکستان سمجھتے ہیں نہ دشمن اسلام ——— بلکہ ہمارے نزدیک مناسب حدود کے اندر رہتے ہوئے یہ بھی وقت کا ایک اہم تقاضا ہے اور ہماری پختہ رائے یہ ہے کہ سیاسی حقوق کے ساتھ ساتھ جب تک عوام کو اپنے جائز معاشی حقوق بھی حاصل نہ ہوں، جمہوریت واقعتہً ایک "گندے انڈے" سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

ہمارے تجزیے کے مطابق ہمارے ملک کے عوام اس وقت جاگیرداری، سرمایہ داری اور نوکر شاہی بلکہ، دفعتہً تینوں لعنتوں کے چنگل سے نکل کر سیاسی، معاشی اور تہذیبی استقلال سے ہمکنار ہونے کی جد و جہد کر رہے ہیں اور اس وقت ہم بحیثیت ملک و قوم اپنی زندگی کے دو بالکل مختلف ادوار کے مابین ایک عبوری دور سے گذر رہے ہیں !!

اس قسم کے عبوری دور میں جبکہ بہت سے رجحانات بیک وقت متصادم ہوں ایک پیچیدہ صورت حال کا پیدا ہو جانا بالکل طبعی و فطری ہے اور بھانت بھانت کی بولیاں، شور و شغب اور کسی قدر اونچ نیچ قطعاً غیر متوقع نہیں

اس پر مستزاد ہیں بین الاقوامی کھینچ تان اور مختلف عالمی قوتوں کی باہمی رسہ کشی کے اثرات جن سے پیچیدگی دو آتشہ بلکہ سہ آتشہ ہو جاتی ہے اور حالات مزید نازک صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

ہمارے ملک میں اس وقت یہ سارے ہی عوامل کار فرما ہیں اور ان کی پیدا کردہ پیچیدگی ہی کم نہ تھی۔ لیکن اس میں مزید اضافہ دین و مذہب کے نام کی دہائی کی وجہ سے خواہ مخواہ پیدا کر لیا گیا ہے۔ درآں حالیکہ اجتماعی زندگی تو بہت دُور کی بات ہے۔ دین و مذہب کو ہماری ایک عظیم اکثریت کی نجی کی زندگی میں بھی کسی فیصلہ کن عامل کی حیثیت حاصل نہیں۔

اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پاکستان کی موجودہ سیاسی کش مکش میں اسلام ہرگز کسی قابل لحاظ فریق کی حیثیت سے شریک نہیں ہے بلکہ اسے محض ایک سیاسی نعرے کی حیثیت سے استعمال کیا جا رہا ہے!

ہم نے گذشتہ سال کی ابتدائی اشاعتوں میں بھی اس صورت حال کی جانب چند اشارے کئے تھے۔ لیکن زیادہ تفصیل میں جانا اس لئے مناسب نہیں سمجھا تھا کہ ہمیں معلوم تھا کہ ہماری گذارشات سے حاصل تو کچھ بھی نہ ہوگا البتہ کچھ ایسے بزرگ ضرور ناراض ہو جائیں گے جن کا احترام ہم تہ دل سے کرتے ہیں۔ لیکن اب دو اسباب کی بنا پر ہمارے لئے اس موضوع پر قلم اٹھانا ضروری ہو گیا ہے:

ایک اس سبب سے کہ ہوتے ہوتے اب اس معاملے نے بہت نازک صورت اختیار کر لی ہے اور ملک کی سیاسی فضا میں اسلام اور سوشلزم کی خیالی جنگ کا کچھ ایسا ہوائی ساسماں باندھ دیا گیا ہے کہ عوام کی اکثریت کے لئے صحیح صورتِ حال کا فہم نہایت مشکل ہو گیا ہے اور ان میں ایک شدید جذباتی تناؤ پیدا ہو رہا ہے جو کسی بھی وقت خونریز تصادم کی صورت اختیار کر سکتا ہے ——— چنانچہ تازہ ترین صورتِ حال یہ ہے نوبت فتویٰ بازی تک پہنچ چکی ہے اور اس کا ہدف عوام ہی نہیں بالواسطہ طور پر وہ لوگ بھی بن گئے ہیں جن کی دینداری اور تقویٰ کی قسم تک کھائی جا سکتی ہے۔

اور دوسرے اس وجہ سے کہ ہمارے بزرگوں، کرم فرماؤں، دوستوں اور عزیزوں میں سے بھی بہت سے حضرات نے ان دنوں ہمیں اپنے موقف پر نظر ثانی کرنے کی دعوت دی ہے۔ عام ملاقاتوں اور گفتگوؤں سے قطع نظر ان دنوں پے بہ پے متعدد خطوط میں اس مسئلے کو چھیڑا گیا ہے اور مختلف مشوروں سے بھی نوازا گیا ہے۔ ہمارے لئے ان سب حضرات کے خطوط کا جواب دینا مشکل ہے اور اس کے مقابلہ میں آسان تر صورت یہی ہے کہ ایک بار ہم اس موضوع پر 'میثاق' کے صفحات میں مفصل اظہار خیال کر دیں۔

چنانچہ آئندہ اشاعت میں ہم انشاءاللہ العزیز اس موضوع پر مفصل کلام کریں گے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ آمین یا ربّ العٰلمین!!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تدبّر قرآن

سورۂ اعراف پر ایک اجمالی نظر

سورۂ انعام میں، جیسا کہ تفصیل سے واضح ہوا، قریش کو اسلام کی دعوت دی گئی ہے۔ یہ دعوت اس بنیاد پر دی گئی ہے کہ یہی اصل ملّت ابراہیمؑ ہے جس کی ابراہیمؑ نے اپنی ذرّیت کو تلقین کی نہ کہ وہ مجموعۂ بدعات و اوہام جو تم لئے بیٹھے ہو۔ اللہ نے تم پر بڑا فضل فرمایا ہے کہ اس نے تمہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے جس نے اللہ کی حجت تم پر پوری کر دی ہے۔ اب تمہارے لئے گمراہی پر جمے رہنے کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہ گیا ہے۔ اس اتمامِ حجّت کے بعد بھی اگر تم اپنی ضد پر اڑے رہ گئے تو یاد رکھو کہ رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کو خدا نے ہمیشہ تباہ کر دیا ہے۔ یہ تاریخ کی ایک معروف حقیقت ہے جس کی دلیل ڈھونڈنے کے لئے تمہیں کہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے جس ملک میں تم آج با اقتدار ہو خود اسی کی تاریخ میں تمہارے لئے کافی سامانِ عبرت موجود ہے۔ تم اس سرزمین پر پہلے آنے والے نہیں ہو بلکہ تم سے پہلے بہت سی قومیں گزر چکی ہیں جو اسی طرح اقتدار کی مالک ہوئیں جس طرح تم۔ بلکہ بعض اپنے اقتدار و سطوت کے اعتبار سے تم سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں۔ انہی کے وارث تم ہوئے ہو۔ پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ قدرت کا قانون تمہارے ساتھ اس سے مختلف معاملہ کرے جو اس نے اُن کے ساتھ کیا۔ ان کے جن جرائم کی بنا پر خدا نے ان کو ہلاک کر کے ان کی جگہ تم کو بخشی، انہی جرائم کے مرتکب تم ہوئے تو خدا تم کو دندناتے پھرنے کے لئے کیوں چھوڑے رکھے گا، خدا کا قانون تو سب کے لئے ایک ہی ہے؟

انعام کے بعد اعراف، انعام کی مثنیٰ سورہ ہے۔ اس میں دعوت کے بجائے انذار کا پہلو غالب ہے۔ اس میں صاف صاف قریش کو دھمکی دی ہے کہ اگر تم نے اپنی روش نہ بدلی تو لبس سمجھ لو کہ اب تم خدا کے عذاب کی زد میں ہو۔ اس میں پہلے اُن کی فرد قرار داد جرم کی طرف اجمالاً اشارہ کیا، اس کے بعد تفصیل کے ساتھ ان تمام پچھلی قوموں کی تاریخ سنائی جو اس ملک میں اقتدار پر آئیں اور پھر یکے بعد دیگرے اسی جرم میں کیفرِ کردار کو پہنچیں جس کے مرتکب قریش ہوئے۔ یہ تفصیل گویا انعام کی آخری آیت کے اجمال کی تفصیل ہے۔ اسی کے

ساتھ یہود کو بھی لے لیا ہے اور ان کو بھی بالکل آخری تنبیہ فرمائی ہے۔ آخر میں عہد فطرت کو، جو تمام ذریت آدمؑ سے لیا گیا ہے، بنیاد قرار دے کر انذار کے مضمون کو اس کے آخری نتائج تک پہنچا دیا ہے۔ جس کے بعد یا آت، ہجرت اور اعلان جنگ یا نزول عذاب کے مراحل سامنے آجاتے ہیں۔

اب ہم سورہ کے مطالب کا تجزیہ پیش کرتے ہیں تاکہ پوری سورہ بیک نظر نگاہ کے سامنے آجائے۔

سُورہ کے مطالب کا تجزیہ

[۱-۹] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کہ اس کتاب الٰہی سے متعلق تمہاری ذمہ داری صرف یہ ہے کہ تم اس کے ذریعے سے لوگوں کو ہوشیار کردو تاکہ ان پر اللہ کی حجت تمام ہوجائے۔ تم پر یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ لوگ اس کو قبول بھی کرلیں، اس سے فائدہ صرف اہل ایمان ہی اٹھائیں گے۔ قریش کو تنبیہ کہ اس کتاب کو قبول کرو ورنہ یاد رکھو کہ تم سے پہلے کتنی قومیں رسولوں کی تکذیب کے جرم میں ہلاک ہوچکی ہیں اور جب خدا کا عذاب ان پر آیا تو اس کے مقابل میں وہ کوئی بند نہ باندھ سکیں بلکہ انہوں نے خود اپنے جرم کا اقرار کیا اور عذاب الٰہی کی پکڑ میں آگئیں۔ پھر تم پر ایک ایسا دن لازماً آنے والا ہے جس میں تم سے تمہاری ذمہ داریوں کے بابت پرسش ہونی ہے اور رسول سے اس کی ذمہ داری کے بابت۔ اس دن سارا کچا چٹھا ہم سب کے سامنے رکھ دیں گے۔ اس دن جو میزانِ عدل نصب ہوگی وہ ہر ایک کے اعمال تول کر بتا دے گی کہ کس کے پاس کتنا حق ہے، کتنا باطل۔ اس دن فلاح صرف وہی پائیں گے جن کے پلڑے بھاری ہوں گے۔ باقی سب نامراد ہوں گے۔

[۱۰-۲۵] قریش کو تنبیہ کہ اس ملک میں تمہیں جو اقتدار حاصل ہوا، خدا ہی کا بخشا ہوا ہے۔ اسی نے تمہارے لیے معاش و معیشت کی راہیں فراخ کیں۔ لیکن شیطان نے تم پر حاوی ہوکر تم کو ناشکری کی راہ پر ڈال دیا۔ آدمؑ اور ابلیس کے ماجرے کا حوالہ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شیطان نے ذریت آدمؑ کو جو دھمکی دی تھی کہ وہ ان کو اپنی چالوں سے گمراہ کرکے چھوڑے گا، ان کی اکثریت خدا کی نافرمان و ناشکری بن جائے گی اس نے اپنی وہ دھمکی تمہارے اوپر سچ کر دکھائی۔ جس طرح اس نے آدمؑ و حوا کو دھوکہ دے کر جنت سے نکلوایا اسی طرح اس نے اپنا فریب تم پر چلایا ہے تو تم شیطان کے چکموں میں آکر اس کی امیدیں بر آنے کے سامان نہ کرو۔

[۲۶-۳۰] یہ تذکیر کہ تم نے آدمؑ کی اولاد ہوکر شیطان کی اس دشمنی کو یاد نہ رکھا جو اس نے تمہارے باپ کے ساتھ کی۔ اس نے انہیں فتنہ میں ڈالا اور حلۂ جنت سے محروم کرکے جنت سے نکلوایا۔ وہی کھیل وہ تمہارے ساتھ کھیلا ہے۔ خدا نے تم کو ظاہر و باطن کے جس لباس سے مزین کرنا چاہا

شیطان کی اطاعت میں تم نے وہ دونوں جامے اتار پھینکے۔ تقویٰ کا لباس بھی جو باطن کی زینت ہے، اتار کر پھینک دیا اور ظاہر کا لباس بھی اتار دیا چنانچہ عین حرم الٰہی میں، اس نے تمہیں عریاں طواف پر ورغلایا اور تم اس بے حیائی کو نہ صرف باپ دادا کی وراثت سمجھتے ہو بلکہ یہ دعوٰے کرتے ہو کہ اس کا حکم تمہیں خدا نے دیا ہے۔ خدا نے صرف اپنی عبادت کا حکم دیا ہے۔ توحید کا حکم دیا ہے۔ تم نے شیطان کی پیروی میں اپنے آپ کو فتنوں میں مبتلا کیا اور دعوے کرتے ہو کہ یہی راہ ہدایت کی راہ ہے۔ صرف تھوڑے سے لوگ اس فتنہ سے محفوظ رہ سکے۔

[۳۱-۳۴] قریش کو تنبیہ کہ اپنے جی سے تم نے یہ جو حرام و حلال ٹھہرا رکھا ہے اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ خدا نے نہ تو زینت حرام کی ہے اور نہ کھانے پینے کی چیزیں حرام کی ہیں۔ یہ دنیا میں بھی اہل ایمان کے لئے مباح ہیں اور آخرت میں تو وہ ان کے بلا شرکت غیرے حق دار ہوں گے ہی۔ خدا نے حرام بے حیائی کو ٹھہرایا ہے خواہ ظاہری ہو یا باطنی، حق تلفی اور سرکشی کو حرام ٹھہرایا ہے جن کا کوئی جواز نہیں، شرک کو ٹھہرایا ہے جس کے حق میں کوئی دلیل نہیں اور اللہ کے اوپر افترا کو حرام ٹھہرایا ہے۔ لیکن تم ان ساری ہی باتوں کے مرتکب ہو رہے ہو۔ اگر اس کے باوجود تمہیں مہلت مل رہی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کے ہاں ہر امت کی تباہی کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔

[۳۵-۴۳] اس امر کی یاد دہانی کہ ذریت آدمؑ کو ابتدا ہی میں یہ ہدایت کر دی گئی تھی کہ اللہ تعالےٰ اپنے احکام سے آگاہ کرنے کے لئے اپنے رسول بھیجے گا تو جو لوگ ان رسولوں کی پیروی کریں گے وہ جنت حاصل کریں گے، جو ان کو جھٹلائیں گے وہ دوزخ میں پڑیں گے۔ یہ دوزخ میں پڑنے والے سب ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور ان کو کسی طرح دوزخ سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔ بس دوزخ کی آگ ہی ان کا اوڑھنا بچھونا بنے گی۔ البتہ جو اہل ایمان ہوں گے وہ جنت حاصل کریں گے اور وہ باہم دگر ایک دوسرے کی ملاقات سے مسرور اور اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں پر شکر گزار رہیں گے۔ وہ اعتراف کریں گے کہ یہ ہمیں جو کچھ خدا نے بخشا اپنے رسولوں کی پیروی کے طفیل بخشا۔ رسولوں نے جو کچھ فرمایا سب حرف حرف صحیح ثابت ہوا۔

[۴۴-۵۵] اہل جنت کا اہل دوزخ سے خطاب کہ ہم سے تو ہمارے رب نے جو وعدے فرمائے تھے وہ سب حرف بحرف پورے ہوئے، تم بتاؤ کہ تم نے بھی وہ سب کچھ دیکھ لیا یا نہیں جس سے تمہیں آگاہ کیا گیا تھا؟ اہل دوزخ پر خدا کی طرف سے لعنت کا اعلان۔ اس امر کا بیان کہ مقام اعراف سے اہل ایمان کے ایک گروہ کو دوزخ اور جنت دونوں کا مشاہدہ کرایا جائے گا تاکہ وہ دیکھ لیں کہ خدا

نے رسولوں کے ذریعہ سے جن باتوں کی خبر دی تھی وہ سب پوری ہوئیں۔ اصحاب اعراف کی طرف سے اہلِ جنت کو مبارک باد اور اہلِ دوزخ کو ملامت۔ اہلِ دوزخ کی اہلِ جنت سے فریاد کہ وہ ان پر کچھ کرم کریں۔ اہلِ جنت کی طرف سے جواب کہ جنت کی نعمتیں کفار پر حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان کہ جنہوں نے دنیا میں خدا کی باتوں کو نظر انداز کیا آج خدا نے ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔ کفار کی طرف سے اپنی محرومی و بدبختی پر اظہارِ حسرت۔

[۵۴-۵۸] کفار قریش کو تنبیہ کہ خلق و امر سب خدا ہی کے اختیار میں ہے تو امید و بیم ہر حالت میں اسی کو پکارو۔ زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ برپا کرو۔ قیامت شدنی ہے، موت کے بعد زندگی کا مشاہدہ تم اس کائنات میں برابر کر رہے ہو۔ خدا نے ہر پہلو سے اپنی آیات واضح فرما دی ہیں۔

[۵۹-۹۳] قوم نوحؑ، قوم ہودؑ، قوم صالحؑ، قوم لوطؑ، قوم شعیبؑ کی سرگزشتیں سنائی گئی ہیں جو اس بات کا تاریخی ثبوت ہیں کہ جو قومیں فساد فی الارض کی مرتکب ہوتی اور اپنے رسول کی دعوتِ اصلاح کی تکذیب کر دیتی ہیں اللہ تعالیٰ ان کو صفحۂ ارض سے مٹا دیتا ہے۔

[۹۴-۱۰۲] مذکورہ بالا سرگزشتوں پر ایک اجمالی تبصرہ۔ قوموں کے ساتھ اللہ تعالیٰ جو معاملہ کرتا ہے اس کے بعض بنیادی اصول اور بعض حکمتیں اور عبرتیں۔ قریش کو یہ تنبیہ کہ انہی کے خلف تم ہو تو اگر تم دیدۂ عبرت سے دیکھتے تو تمہارے اپنے ملک کی تاریخ میں تمہارے لیے کافی سامانِ بصیرت موجود ہے لیکن جس طرح ان قوموں کے دلوں پر اللہ کی مہر لگ گئی تھی اسی طرح تمہارے دلوں پر بھی اللہ کی مہر لگ چکی ہے۔

[۱۰۳-۱۳۶] حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی سرگزشت جس سے واضح ہوتا ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو شکست دینے کے لیے تمام ہتھکنڈے، جو اس کے امکان میں تھے، استعمال کئے لیکن اللہ نے ان کو بامراد کیا اور فرعون کو تمام اسباب و وسائل کے علی الرغم شکست دی۔ مفسدین کا بیڑا غرق ہوا اور جو جماعت مظلوم و مقہور تھی خدا نے اس کو اس کی استقامت کی بدولت، زمین میں اقتدار بخشا۔

[۱۳۷-۱۷۱] بنی اسرائیل کی تاریخ کے تمام ادوار پر ایک جامع تبصرہ جس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہمیشہ بڑے بڑے کرم فرمائے لیکن انہوں نے شروع سے لے کر اب تک ہمیشہ خدا کے انعامات کی ناقدری کی اور کسی تذکیر و تنبیہ سے بھی کوئی پائدار فائدہ نہیں اٹھایا۔ اور اب بھی ان کی روش وہی ہے چنانچہ جس حق کی علمبرداری کی ذمہ داری ان پر ڈالی گئی تھی وہ اس کی مخالفت میں پیش پیش ہیں حالانکہ یہ موقع ان کے لیے آخری موقع ہے جس کے ضائع کر دینے کے بعد ان کے لئے

دائمی ذلّت کے سوا اور کوئی چیز باقی نہیں رہ جائے گی۔

۱۷۲-۲۰۶ خاتمہ سورہ میں قریش کو عہد فطرت کی یاد دہانی کی گئی ہے اور بنی اسرائیل کے حالات سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ پھر ان کو عذاب الٰہی کی دھمکی دی گئی ہے اور خبردار کیا گیا ہے کہ جب اللہ کی پکڑ میں آجاؤ گے تو تمہارے یہ اولیاء اصنام جو تم نے گھڑ رکھے ہیں کچھ کام نہیں آئیں گے۔ آخر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر، اعراض اور ہر آن یاد الٰہی کے ساتھ وابستہ رہنے کی ہدایت۔

(بقیہ قرآن مجید کا پیغام)

از صفحہ ۴۶

روایات اور اس کے افکار کے سراسر خلاف تعلیم دی ہو اور پھر ایسی محیر العقول کامیابی بھی حاصل کی ہو؟

۱۲: کیا چودہ سو سال کی انسانی تاریخ نے اس نبی اُمّی کے دعاوی اور اس کے دستور کی حقانیت، دونوں پر مہر تصدیق ثبت نہیں کر دی؟

۱۳: کیا چودہ سو سال میں کسی نے اس سے بہتر ضابطۂ حیات مدوّن کر کے دنیا کو دیا ہے؟

۱۴: کیا کسی نے قرآنی توحید پر کوئی اضافہ کیا ہے؟

۱۵: کیا اس نبی اُمّی کی تعلیمات قابل عمل نہیں ہیں؟

۱۶: کیا مرورِ ایام سے اس کی کوئی تعلیم ناقص یا باطل یا ناقابل عمل یا فرسودہ ثابت ہوتی ہے؟

اگر ان تمام سوالات کا جواب اثبات میں ہے تو پھر آپ دین الحق کی تبلیغ و اشاعت سے غافل کیوں ہیں؟ (الداعی الی الخیر یوسف سلیم چشتی عفی عنہ)

تدبرِ قرآن

مولانا امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۂ اعراف

(۷)

مکی ——— آیات ۲۰۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓمٓصٓ ۝١ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ
وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝٢ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ
دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝٣ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا
بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝٤ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ
اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝٥ فَلَنَسْــَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْــَٔلَنَّ
الْمُرْسَلِيْنَ ۝٦ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝٧ وَالْوَزْنُ
يَوْمَئِذِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٨
وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا
بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝٩ ۔

یہ المٓصٓ ہے۔ یہ کتاب ہے جو تمہاری طرف اتاری گئی ہے تو اس کے باعث تمہارے دل میں کوئی پریشانی نہ ہو۔ تاکہ تم اس کے ذریعہ سے لوگوں کو ہوشیار کر دو اور یہ اہلِ ایمان کے لیے یاددہانی ہے۔ لوگو، جو چیز تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے اس کی پیروی کرو اور اس کے ماسوا سرپرستوں کی پیروی نہ کرو، بہت کم ہی تم لوگ یاددہانی حاصل کرتے ہو! اور کتنی ہی بستیاں ہوئی ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا ۱-۹

تو آیا ان پر ہمارا عذاب رات میں اچانک یا دن دہاڑے، جب وہ دوپہر کے وقت آرام میں تھے۔ تو جب ہمارا عذاب ان پر آیا اس کے سوا وہ کچھ نہ کہہ سکے، کہ بلاشبہ ہم ہی ظالم تھے۔ سو، یاد رکھو، ہم ان لوگوں سے بھی پرسش کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور خود رسولوں سے بھی ہم استفسار کریں گے۔ ہم ان کے سامنے سب بیان کریں گے پورے علم کے ساتھ اور ہم کہیں غائب نہیں رہے ہیں۔ اس دن وزن دار صرف حق ہو گا۔ تو جن کے پلڑے بھاری ٹھہریں گے وہی لوگ فلاح پانے والے بنیں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوئے وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا بوجہ اس کے کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار اور اپنے اوپر ظلم کرتے رہے۔ ۱-۹

۱- الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

الٓمّٓصٓ ۝ کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۱-۲

'الٓمّٓصٓ'۔ حروفِ مقطعات پر تفصیلی بحث بقرہ میں آلٓمّٓ کے تحت گزر چکی ہے۔ یہاں الف، لام میم پر حرف 'ص' کا اضافہ ہے۔ ہم پیچھے اشارہ کر آئے ہیں کہ جن سورتوں کے نام کچھ مشترک سے ہیں ان کے مطالب میں بھی فی الجملہ اشتراک پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس سورہ کو غور سے پڑھیے تو معلوم ہو گا کہ اس کی بہت سی باتیں بقرہ سے ملتی جلتی ہیں اگرچہ دونوں میں مکی و مدنی کا فرق بھی ہے اور دونوں کے مخاطب بھی الگ الگ ہیں۔

یہاں تالیفِ کلام کی دو صورتیں ممکن ہیں۔ 'المٓصٓ' کو بحذفِ مبتدا مستقل جملہ بھی قرار دے سکتے ہیں اور اس کو آگے سے ملانا چاہیں تو اس کو مبتدا اور 'کتاب انزل الیک' کو اس کی خبر بھی مان سکتے ہیں۔ ہم نے پہلی شکل اختیار کی ہے اور 'کتاب انزل الیک' میں بھی مبتدا کو محذوف مانا ہے۔ ویسے دونوں شکلوں میں باعتبارِ مفہوم کوئی فرق نہیں ہے۔

کتاب انزل الیک فلا یکن فی صدرک حرج منہ۔ 'حرج' کے معنی تنگی، ضیق اور پریشانی کے ہے۔ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسکین و تسلی کے طور پر نازل ہوئی ہے۔ یہ دور، جیسا کہ سورہ کے مطالب کی فہرست سے واضح ہے، قریش کی مخالفت کے شباب کا دور تھا۔ وہ ہر قسم کے اوچھے سے اوچھے ہتھیار استعمال کرنے پر اُتر آئے تھے۔ آپ کو زچ کرنے کے لیے روز نت نئے مطالبے

قریش کی مخالفت کے دورِ شباب میں نازل، آنحضرت صلعم کو تسلی

وہ پیش کرتے۔ ایک طرف مخالفت کی یہ شدت تھی دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے فرضِ دعوت کا احساس اتنا شدید تھا کہ سارے جتن کرنے کے باوجود آپؐ کو یہ فکر دامن گیر ہی رہتی کہ مبادا میری ہی کوئی کوتاہی ہو جس کے سبب سے یہ لوگ اتنی صاف اور واضح حقیقت کے قائل نہ ہو رہے ہوں۔ یہ دونوں چیزیں مل کر آپؐ کے دل پر ایک بھاری بوجھ بنی ہوئی تھیں۔ قرآن نے یہاں یہ دونوں بوجھ ہلکے کیے ہیں۔ قریش کی مخالفت سے بے پروا ہونے کی یوں تلقین فرمائی کہ یہ کتاب نہ تمہاری اپنی پیش کردہ ہے نہ خدا سے درخواست کرکے تم نے اپنے اوپر اتروائی ہے بلکہ یہ تمہاری طلب و تمنا کے بغیر خدا کی طرف سے تم پر اتاری گئی ہے تو تم اس کے مخالفوں کی مخالفت سے اپنے آپ کو ضیق و پریشانی میں کیوں مبتلا کرو؟ جس خدا نے یہ اتاری ہے وہی اس کی تائید و نصرت کے لیے کمک اور بدرقہ بھی فراہم کرے گا۔ نہ وہ کوئی کمزور ہستی ہے نہ جاننے سے بے تعلق یا بے خبر ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ جو ذمہ داری اس نے تم پر ڈالی ہے اس کو کما حقہ ادا کرنے کے لیے تم کن چیزوں کے محتاج ہو اور راہ کے پتھروں کو ہٹانے کے لیے تمہیں کتنی قوت درکار ہے۔ وہ یہ ساری چیزیں فراہم کرے گا تو تم خاطر جمع رکھو۔ اپنے آپ کو پریشانی میں مبتلا نہ کرو۔

لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ: یہ اس کتاب سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کی حد بتا دی گئی ہے کہ آپ کا فرض صرف یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو تکذیبِ رسول کے نتائج اور قیامت کے احوال سے اچھی طرح ہوشیار کر دیں۔ یہ مانتے ہیں یا نہیں، یہ سوال آپ سے متعلق نہیں ہے۔ آپ پر ذمہ داری صرف انذار و بلاغ کی ہے۔ "وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ"، کا ٹکڑا معناً عطف تو "لِتُنْذِرَ" ہی پر ہے لیکن یہ فعل کے بجائے اسم کی شکل میں ہے۔ اس کے اسم کی شکل میں لانے سے ایک امرِ واقعہ کا اظہار مقصود ہے۔ وہ یہ کہ جہاں تک انذار کا تعلق ہے وہ تو تم ان کفار کو کر دو لیکن اس سے یاد دہانی کا فائدہ صرف اہلِ ایمان ہی اٹھائیں گے۔ یہ مضمون جگہ جگہ، قرآن میں مختلف صورتوں میں بیان ہوا ہے۔ ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝ طٰهٰ، ۱-۴ (یہ سورہ طٰہٰ ہے، ہم نے تم پر قرآن اس لیے نہیں اتارا ہے کہ تمہاری زندگی تمہارے لیے اجیرن ہو کے رہ جائے، یہ تو بس یاد دہانی ہے اُن لوگوں کے لئے جو ڈریں، یہ تو نہایت اہتمام سے اتارا گیا ہے اس ذات کی طرف سے جس نے زمین اور ان بلند آسمانوں کو پیدا کیا)

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ
قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ۳

کفار قریش کو دھمکی

عام طور پر لوگوں نے اس آیت کا مخاطب مسلمانوں کو مانا ہے لیکن سیاق وسباق اور آیت کے الفاظ دلیل ہیں کہ خطاب کفار قریش سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اوپر والی آیت میں تسلی دینے کے بعد اب یہ قریش کو دھمکی دی گئی ہے کہ یہ چیز جو تم پر تمہارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے اس کی پیروی کرو اور خدا کے ماسوا دوسرے معبودوں اور شریکوں کی پیروی نہ کرو، یہ خیالی اولیاء و اصنام تمہارے کچھ کام آنے والے نہیں ہیں۔ اس کے بعد بانداز حسرت و افسوس فرمایا کہ 'قلیلا ما تذکرون'، کہ تم ایسے شامت زدہ لوگ ہو کہ مشکل ہی سے یاددہانی حاصل کرتے ہو۔

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝ فَمَا كَانَ دَعْوٰهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۴-۵

قریہ کا مفہوم

'قریۃ' کا لفظ قریہ اور اہل قریہ دونوں پر حاوی ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس کے لیے ضمیریں، اشارات اور فعل وغیرہ استعمال کرنے میں کبھی لفظ کا اعتبار کرتے ہیں، کبھی مفہوم کا۔ یہ اسلوب ہر زبان میں عام ہے۔

'قائلون' قیلولہ سے ہے۔ 'قیلولہ' کے معنی دوپہر منانے کے ہیں، سونا اس کے لوازم میں نہیں ہے۔ عرب کا ملک، گرم ملک ہے اس وجہ سے وہاں دوپہر میں لوگ مجبور ہوتے ہیں کہ اپنے اپنے مکانوں، ڈیروں، خیموں اور باغوں میں آرام کریں۔

اہل تاویل کی ایک غلط فہمی

بعض اہل تاویل کو 'فجاءھا باسنا بیاتا او ھم قائلون' کے الفاظ سے یہ خیال ہوا ہے کہ اللہ کا عذاب اس وقت آتا ہے جب لوگ رات میں یا دن میں سوتے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بات تاریخ کے بھی خلاف ہے اور قرآن کے بیان کے بھی۔ سورہ انعام میں ہے۔ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ - ۴۷ (کہو، بتاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب اچانک چپکے سے یا کھلم کھلا آ دھمکے تو ظالموں کے سوا اور کون ہلاک ہوگا!) اسی سورہ اعراف میں معذب قوموں کی سرگزشتیں سنانے کے بعد ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا ہے۔ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۹۷-۹۸ (کیا یہ بستیوں والے مامون ہوئے اس بات سے کہ ہمارا عذاب ان پر رات میں آ دھمکے جب وہ سوئے ہوئے ہوں! کیا یہ بستیوں والے مامون ہوئے اس بات سے کہ ہمارا عذاب ان پر چاشت کے وقت آ دھمکے جب کہ وہ لہو و لعب میں مشغول ہوں!) ہمارے نزدیک

'فجاءها بأسنا بياتاً او هم قائلون' سے یہ ظاہر کرنا مقصود نہیں ہے کہ خدا کا عذاب اس وقت آیا کرتا ہے جب لوگ سوتے ہوتے ہیں بلکہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ خدا کا عذاب شب کی تاریکیوں میں چھپ چھپانے بھی آیا اور ڈنکے کی چوٹ دن دہاڑے بھی، جس وقت بھی آیا، آگیا، نہ کوئی اس کو روک سکا اور نہ کوئی اس سے اپنے آپ کو بچا سکا صرف وہ لوگ اس سے بچ سکے جن کو اللہ کی امان حاصل ہوئی۔

اصل انذار

یہ وہ انذار ہے جس کا 'تستنذر بہ' میں اشارہ ہے۔ قریش کو دھمکی دی گئی ہے کہ کتنی قومیں اور بستیاں ہیں جن پر رات میں یا دن میں جب خدا نے چاہا اپنا عذاب بھیج دیا اور وہ تباہ کر دی گئیں، ان میں سے کوئی بھی خدا کے مقابل میں کھڑی نہ ہو سکی بلکہ ہر قوم نے اپنے جرم کا اقرار کرتے ہوئے اپنے آپ کو عذاب الٰہی کے حوالے کیا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے بھی اس چیز کی پیروی نہ کی جو خدا نے تم پر اتاری ہے تو یہی حشر تمہارا بھی ہونا ہے۔ . . . . آج اکڑتے ہو لیکن اس وقت سارے کس بل نکل جائیں گے اور تم خود اپنے منہ سے اپنے جرم کا اقرار کرو گے۔ لیکن اس وقت یہ اقرار تمہارے لیے کچھ نافع نہیں ہو گا۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝
فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝ وَالْوَزْنُ
يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ۔ ۶-۹

انذار کی تفصیل

'فلنسئلن الذین ارسل الیھم ولنسئلن المرسلین' ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اللہ کے رسول دو چیزوں سے لوگوں کو ڈراتے ہیں۔ ایک اس عذاب سے جو رسول کی تکذیب کرنے والی قوم پر لازماً آتا ہے، دوسرے اس جزا و سزا سے جس سے آخرت میں ہر شخص کو لازماً دوچار ہونا ہے۔ اوپر والی آیت میں پہلی چیز سے ڈرایا ہے۔ اب آگے اس دوسری چیز سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔ فرمایا کہ ایک دن آنے والا ہے جب ہم ان امتوں سے بھی پرسش کریں گے جن کی طرف ہم نے اپنے رسول بھیجے اور خود رسولوں سے بھی سوال کریں گے۔

امتوں سے جو پرسش ہونی ہے اس کی تفصیل قرآن میں یوں بیان ہوئی ہے۔

كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ — جب جب ان کی کوئی بھیڑ دوزخ میں جھونکی

خَزَنَتُهَا اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ ملک ۸-۱۱	جائے گی اس کے داروغے ان سے پوچھیں گے، کیا تمہارے پاس کوئی ہوشیار کرنے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے، ہاں ہمارے پاس ایک ہوشیار کرنے والا آیا تو تھا پر ہم نے اس کو جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ خدا نے کوئی چیز بھی نہیں اتاری ہے، تم لوگ ایک بہت بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔ اور وہ اعتراف کریں گے کہ اگر ہم سنتے سمجھتے ہوتے تو جہنم میں پڑنے والے نہ بنتے بس وہ اپنے جرم کا اقرار کریں گے تو لعنت ہو ان دوزخیوں پہ!

رسولوں سے جو سوال ہوگا اس کا حوالہ سورہ مائدہ میں یوں دیا گیا ہے۔

یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم ۱۰۹- مائدہ	جس دن اللہ تمام رسولوں کو جمع کرے گا پھر پوچھے گا تمہیں کیا جواب ملا؟

'فلنقصن علیھم بعلم وما کنا غائبین' مطلب یہ ہے کہ اس دن ہم رسولوں اور ان کی قوموں کو ساری گزری ہوئی روداد، پورے علم و خبر کے ساتھ سنا دیں گے کہ ہمارے رسولوں نے کس طرح حق بلاغ ادا کیا اور ان کی تکذیب کرنے والوں نے کس طرح جان بوجھ کر ان کی تکذیب کی۔ فرمایا کہ ہم ایک لمحہ کے لیے بھی ان حالات و واقعات سے بے تعلق یا بے خبر نہیں رہے ہیں۔ جو کچھ ہوا ہے سب ہمارے سامنے ہوا ہے۔ یہ واضح رہے کہ یہ سنانا قطع عذر کے لیے ہوگا تاکہ کسی کے لیے بھی لب کشائی کی کوئی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔

میزانِ قیامت میں وزن صرف حق کا ہوگا

'والوزن یومئذ الحق الایۃ' مطلب یہ ہے کہ اس دن وزن رکھنے والی شے صرف حق ہوگا، باطل میں سرے سے کوئی وزن ہی نہیں ہوگا۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ جو ترازو نصب فرمائے گا وہ ہر ایک کے اعمال تول کر بتا دے گی کہ اس میں حق کا حصہ کتنا ہے۔ پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے، یعنی حق کی مقدار ان کے ساتھ زیادہ ہوگی، وہ فلاح پانے والے بنیں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہ خائب و خاسر ہوں گے۔ اعمال کے باوزن اور بے وزن ہونے کے باب میں قرآن نے یہ اصول بھی بیان فرمایا ہے:-

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔ کہف ۱۰۳-۱۰۵

(ہم تمہیں بتائیں کہ اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے میں رہنے والے کون ہوں گے؟ وہ جن کی ساری سرگرمیاں طلب دنیا میں برباد ہوئیں اور وہ اس خوش گمانی میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں، وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات اور ملاقات کا انکار کیا تو ان کے اعمال ڈھے گئے، تو ہم قیامت کے دن ان کے لئے کوئی وزن نہیں قائم کریں گے)

اس سے معلوم ہوا کہ میزان قیامت میں وزن دار اعمال وہی ہوں گے جو خدا کی رضا اور آخرت کے لئے انجام دیئے جائیں۔ جو اعمال اس وصف سے خالی ہوں گے، نہ وہ اعمال حق ہیں، نہ میزان الٰہی میں ان کا کوئی وزن ہوگا۔

زبان کا ایک اسلوب

ومن خفت موازینہ ..... بما کانوا بآیاتنا یظلمون: ہم ایک سے زیادہ مقامات میں زبان کے اس اسلوب کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ جب صلہ اور فعل میں مناسبت نہ ہو تو وہاں تضمین ہوتی ہے۔ یعنی کوئی ایسا فعل وہاں محذوف مانیں گے جو موجودہ خلا کو بھر سکے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ لفظ کم استعمال ہوتے ہیں، لیکن معنی میں بہت وسعت ہو جاتی ہے۔ یہاں تضمین کھول دی جائے تو پوری بات یوں ہوگی: 'بما کانوا یکفرون بآیاتنا ویظلمون انفسہم' بوجہ اس کے وہ ہماری آیات کا انکار کرتے اور اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے۔

۲۔ آگے کا مضمون، آیات ۱۰-۲۵

پہلے قریش کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے ان پہ اپنا احسان جتا کر ان کو ملامت کی کہ کس طرح اللہ نے تم کو اس سرزمین محترم میں قوت و شوکت دی، تم کو خوف سے نجات دی، اور تمہارے لیے معاش و معیشت کی راہیں کھولیں لیکن تم خدا کے شکر گزار و فرمانبردار بننے کے بجائے ناشکرے اور اس کے نافرمان ہو گئے۔

اس کے بعد آدمؑ و ابلیس کا وہ ماجرا، جو بقرہ میں یہود کو سنایا گیا ہے، بعض تفصیلات کے اضافہ کے ساتھ قریش کو سنایا کہ شیطان نے آدمؑ اور ان کی ذریت کی ابدی دشمنی کی جو قسم کھائی تھی وہ قسم جس طرح آدمؑ و حوا کو دھوکا دے کر اور جنت سے نکلوا کر اس نے ان پہ پوری کی اسی طرح اس نے اپنی وہ قسم

تم پر بھی پوری کر لی ہے اور تم پوری طرح اس کے جال میں پھنس چکے ہو اور اس کا جو نتیجہ تمہارے حق میں نکل سکتا ہے وہ ظاہر ہے ـــ اس روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمائیے :-

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰
وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا
اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝۱۱ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ
اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝۱۲ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا
فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝۱۳ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى
يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝۱۴ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝۱۵
قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۱۶ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ
مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَاۗىِٕلِهِمْ ۭ وَلَا
تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝۱۷ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ
تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۸ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ
وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۹ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ
سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ
اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝۲۰ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّىْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝۲۱ فَدَلّٰىهُمَا
بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا
مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ
لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۲۲ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ
تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۲۳ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ
عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝۲۴ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ
فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝۲۵

ترجمہ

اور ہم نے تمہیں اس ملک میں اقتدار بخشا اور تمہارے لئے معاش کی راہیں کھولیں، پر تم بہت ہی کم شکر گزار ہوتے ہو۔ ۱۰

اور ہم نے تمہارا خاکہ بنایا، پھر تمہاری صورت گری کی، پھر فرشتوں کو فرمایا کہ

آدم کو سجدہ کرو۔ سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ فرمایا کہ جب میں نے تجھے حکم دیا تو تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا؟ بولا، میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا۔ فرمایا، پھر تو یہاں سے اتر، تجھے یہ حق نہیں ہے کہ تو اس میں گھمنڈ کرے، تو نکل، یقیناً تو ذلیلوں میں سے ہے۔ بولا، چونکہ تو نے مجھے گمراہی میں ڈالا ہے اسی وجہ سے میں تیری سیدھی راہ پر ان کے لیے گھات میں بیٹھوں گا، پھر میں ان کے آگے، ان کے پیچھے، ان کے داہنے اور ان کے بائیں سے ان پر تاخت کروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو اپنا شکر گزار نہ پائے گا۔ فرمایا، تو یہاں سے نکل خوار اور راندہ۔ ان میں سے جو تیری پیروی کریں گے تو میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ ۱۱-۱۸

اور اے آدم، تم اور تمہاری بیوی رہو جنت میں اور کھاؤ پیو جہاں سے چاہو، بس اس درخت کے پاس نہ پھٹکیو کہ اپنے اوپر ظلم کرنے والوں میں سے بن جاؤ۔ پس شیطان نے ان کے اندر وسوسہ اندازی کی کہ عریاں کر دے ان کی وہ شرم کی جگہیں جو ان سے چھپائی گئی تھیں۔ اس نے ان سے کہا کہ تمہارے خداوند نے تو تمہیں اس درخت سے صرف اس وجہ سے روکا کہ تم کہیں فرشتے یا ہمیشہ زندہ رہنے والے بن جاؤ۔ اور ان سے قسمیں کھائیں کہ میں تمہارے خیر خواہوں میں ہوں۔ اس طرح اس نے فریب سے ان کو شیشے میں اتار لیا۔ پس جب انہوں نے درخت کا پھل چکھ لیا ان کی شرم کی جگہیں ان کے سامنے بے پردہ ہوگئیں اور وہ اپنے کو باغ کے پتوں سے ڈھانکنے لگے۔ اور ان کے رب نے ان کو آواز دی کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت سے روکا نہیں تھا اور یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے؟ وہ بولے اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ فرمائے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم نامرادوں میں سے ہو جائیں گے۔ فرمایا، اترو، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت خاص تک ٹھہرنا اور کھانا پینا ہے۔ فرمایا، اسی میں مروگے اور اسی سے نکالے جاؤ گے۔ ۱۹-۲۵

۳- الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ - ۱۰

'تمکین فی الارض' سے مراد زمین میں اختیار و اقتدار بخشنا ہے۔ مثلاً وکذلک مکنا لیوسف فی الارض ۲۱۔یوسف (اور اس طرح ہم نے یوسف کو ملک مصر میں اقتدار و اختیار بخشا) 'ارض' اگرچہ لفظاً عام ہے لیکن خطاب چونکہ قریش سے ہے اس وجہ سے اس سے مراد یہاں سرزمین حرم ہے جس میں قریش کو اختیار و اقتدار حاصل تھا۔ 'معایش' سے اشارہ ان معاشی سہولتوں اور برکتوں کی طرف ہے جو ایک وادی غیر ذی زرع میں حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور بیت اللہ کی برکت سے اہل عرب کو عموماً اور قریش کو خصوصاً حاصل ہوئیں۔ قرآن میں ان برکتوں اور نعمتوں کا جگہ جگہ ذکر ہوا ہے اور ہم تفصیل کے ساتھ بقرہ میں ان کا حوالہ دے چکے ہیں۔ سورۂ قصص میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔ اولم نمکن لھم حرما امنا یجبی الیہ ثمرات کل شیٔ ۵۷۔ قصص (کیا ہم نے ان کو ایک پرامن حرم میں اقتدار نہیں بخشا جس کی طرف ہر چیز کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں) 'قلیلا ما تشکرون' یہ وہ اصل بات ارشاد ہوئی ہے جس کے کہنے ہی کے لیے اوپر والی باتیں بطور تمہید بیان ہوئیں۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ و اسمعیلؑ کی دعاؤں اور بیت اللہ کے طفیل تمہیں اللہ تعالےٰ نے اس ملک میں اختیار و اقتدار کی نعمت بھی بخشی اور معاش و معیشت کی نہایت فراخ راہیں بھی کھولیں لیکن تم سخت ناشکرے نکلے کہ تم نے اپنے پروردگار کے بجائے شیطان کی، جیسا کہ آگے تفصیل آرہی ہے، پیروی کی اور اس نے جن جن فتنوں میں تم کو مبتلا کرنا چاہا ہے تم ان سب میں مبتلا ہوگئے۔

ارض سے مراد سرزمین حرم

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَاۗىِٕلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ ۱۱-۱۸

آدم و ابلیس کا ماجرا اور اس کے مقصود

اب یہ آدمؑ اور ابلیس کا وہ ماجرا سنایا جا رہا ہے جس سے آدمؑ اور ان کی ذریت کے ساتھ ابلیس اور

اس کے ساتھیوں کی دشمنی کی تاریخ بھی سامنے آتی ہے، اس کا اصل سبب بھی واضح ہوتا ہے، اور قیامت تک کے لیے اس کو باقی رکھنے اور اولادِ آدمؑ سے انتقام لینے کا شیطان نے جو عہد کر رکھا ہے، اس کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ اس قصے کو پڑھتے ہوئے وہ مقصد نگاہ سے اوجھل نہ ہو جس کے لئے یہ سنایا گیا ہے۔

شیطان کو آدمؑ اور ان کی ذریت سے دشمنی اس حسد کی بنا پر ہے جو آدمؑ کی تکریم کے حکم سے اس کو لاحق ہوا۔ اس حکم کی تعمیل سے اس نے نہایت تکبر کے ساتھ انکار کیا جس کے نتیجے میں وہ نہایت ذلت کے ساتھ جنت سے نکالا گیا۔ بالآخر اس نے اس غصہ میں، اللہ تعالےٰ سے یہ درخواست کی کہ اسے اٹھائے جانے کے دن تک کے لیے یہ مہلت دی جائے کہ وہ آدم اور اولادِ آدمؑ پر اپنے جوہر آزمائے۔ اللہ تعالےٰ نے اس کی یہ درخواست منظور کر لی۔ یہ درخواست منظور ہو جانے کے بعد شیطان نے اللہ تعالےٰ کو چیلنج کیا کہ میں ان کو توحید کی راہ سے برگشتہ کرنے کے لیے اپنا ایڑی چوٹی کا زور صرف کر ڈالوں گا اور ان کو اپنی تدبیروں، چالوں اور اپنے پروپیگنڈوں سے اس طرح بدحواس کر دوں گا کہ ان کی اکثریت تیری توحید کی راہ سے ہٹ جائے گی اور یہ ثابت ہو جائے گا کہ یہ، جس کو تو نے میرے اوپر فضیلت بخشی، ہرگز کسی فضیلت کا سزاوار نہیں ہے۔

اس کے بین السطور پر غور کیجیے تو چند باتیں بالکل واضح طور پر سامنے آئیں گی۔

ایک یہ کہ شیطان کو اصلی کد انسان سے یہ ہے کہ خدا نے انسان کو اس پر ترجیح کیوں دی؟ اس نے اسی ترجیح کو غلط ثابت کرنے کے لیے خدا سے مہلت مانگی ہے۔ اب یہ انسان کی کیسی بدبختی ہے کہ وہ اس معرکے میں جو خود اسی کے خلاف شیطان نے برپا کیا ہے، شیطان کا دست و بازو بن جائے اور خود اپنے عمل سے شیطان کے حق میں گواہ بن کر یہ ثابت کر دے کہ خدا نے اس کو جس سرفرازی کا اہل سمجھا درحقیقت وہ اس کا اہل نہیں تھا بلکہ اس کے باب میں شیطان ہی کا گمان صحیح تھا۔

دوسری یہ کہ انسان اس دنیا میں ایک کارزار امتحان میں ہے جہاں شیطان سے ہر قدم پر اس کا مقابلہ ہے۔ شیطان اپنے سارے داؤں، سارے فریب، سارے ہتھکنڈے انسان پر استعمال کرنے کے لیے خدا سے مہلت لے چکا ہے۔ خدا نے اس کو، جہاں تک ورغلانے کا تعلق ہے، مہلت دے دی ہے اور یہ مہلت اس کو قیامت کے دن تک کے لیے حاصل ہے۔ قیامت کے دن یہ فیصلہ ہو گا کہ کون جیتا اور کون ہارا؟

تیسری یہ کہ شیطان کی اس ساری سعی اغوا و اضلال میں اصل ہدف عقیدۂ توحید ہے۔ یہی وہ صراطِ مستقیم ہے جس پر گھات لگانے اور جس سے انسان کو ہٹانے کا اس نے الٹی میٹم دیا ہے کہ میں اس راہ سے

انسان کو ہٹا کر چھوڑوں گا اور انسانوں کی اکثریت اس سے منحرف ہو کر خدا کی ناشکری کرنے والی بن جائے گی۔ اوپر قریش کو 'قلیلاً ما تشکرون' کے الفاظ سے اسی امر واقعی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ شیطان نے انسان کے بارے میں جو گمان ظاہر کیا تھا تم نے اس کو اپنی نالائقی سے حرف حرف سچ ثابت کر دکھایا ہے اس وجہ سے تم خود اس انجام بد کے مستوجب بن چکے ہو جس کی خبر شیطان کے الٹی میٹم کے جواب میں خدا نے سنا دی تھی کہ 'میں تجھ کو اور تیری پیروی کرنے والوں کو جہنم میں بھر دوں گا'۔

نظم کلام کے واضح ہو جانے کے بعد الفاظ اور اجزائے کلام کی وضاحت کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہی۔ ان میں سے اکثر چیزیں سورۂ بقرہ کی تفسیر میں پوری وضاحت سے زیر بحث آ چکی ہیں۔ ان کے دہرانے میں طوالت ہوگی۔ البتہ جو چیزیں وہاں زیر بحث نہیں آئی ہیں ان کی وضاحت ہم یہاں کیے دیتے ہیں۔

'ولقد خلقنٰکم ثم صورنٰکم الایہ' 'خلق' کا صحیح لغوی مفہوم، ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں، کسی چیز کا خاکہ (DESIGN) بنانا ہے۔ یہ لفظ قرآن میں تنہا بھی استعمال ہوا ہے اور بعض جگہ اپنے دوسرے لوازم و متعلقات مثلاً 'تسویہ'، 'ترکیب' اور 'تصویر' کے ساتھ بھی استعمال ہوا ہے۔ جہاں یہ تنہا استعمال ہوا ہے وہاں یہ اپنے تمام لوازم و متعلقات پر مشتمل ہے۔ لیکن جہاں اپنے دوسرے متعلقات کے ساتھ آیا ہے جیسے یہاں 'خلقنٰکم' کے بعد 'صورنٰکم' بھی ہے تو ایسے مواقع میں یہ اپنے اصل لغوی مفہوم ہی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں 'خلق' اور 'تصویر' کے دو لفظوں نے تخلیق کی ابتدائی اور انتہائی دونوں حدیں واضح کر دیں۔ ہر مخلوق کا مرحلۂ ابتدائی تو یہ ہے کہ اس کا خاکہ بنا اور اس کا آخری و تکمیلی مرحلہ یہ ہے کہ اس کی صورت گری ہوئی اور اس کے ناک نقشے اور نوک پلک درست ہوئے۔

یہاں مخاطب، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، قریش ہیں، اور بیان ان کے سامنے نوع انسانی کی تخلیق اور ان آزمائشوں کا ہو رہا ہے جو انسان کے لیے مقرر کی گئی ہیں۔ حضرت آدمؑ تمام نسل انسانی کے باپ ہیں اس وجہ سے ان کی سرگزشت تنہا انہی کی سرگزشت نہیں ہے بلکہ پوری نسل انسانی کی سرگزشت ہے۔

'ثم قلنا للملٰئکۃ اسجدوا لاٰدم فسجدوا الا ابلیس' سجدہ کے مفہوم، اس حکم کی مصلحت، جنات کے اس حکم میں شامل ہونے کی وجہ اور اس ذیل کے دوسرے اہم مسائل پر ہم بقرہ کی تفسیر میں گفتگو کر چکے ہیں۔ وہاں ہم نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ 'ابلیس' اس جن کا لقب ہے جس نے بابا آدمؑ کو دھوکہ دیا۔ یہ جنات میں سے تھا اور خدا کی نافرمانی کر کے سرکش بن گیا۔ جنوں اور انسانوں میں سے جو لوگ اس کے پیرو بن جاتے ہیں وہ سب اس کی معنوی ذریت ہیں۔ ایسے ہی جنوں اور انسانوں کے لیے قرآن میں شیطان کا لفظ استعمال ہوا ہے،

شیطان، جیسا کہ بقرہ کی تفسیر میں ہم نے واضح کیا، کوئی مستقل بالذات مخلوق نہیں ہے۔

"قال ما منعک الا تسجد اذ امرتک" قرآن میں دوسرے مقام میں، یہی بات یوں فرمائی گئی ہے "قال یا ابلیس ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی" ۷۵-ص (فرمایا اے ابلیس تجھے اس چیز کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا) دونوں آیتوں پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ایک جگہ "ما منعک" کے بعد "لا" ہے، دوسری جگہ نہیں ہے۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ "ما منعک" میں چونکہ خود "لا" کا مضمون موجود ہے اس وجہ سے اس کے بعد اس کا لانا ضروری نہیں ہے لیکن لائیں تو اس سے شدّتِ نکیر کا مضمون پیدا ہوگا۔ چنانچہ اس فقرے میں شیطان کے عدم سجدہ کی شناعت پوری طرح نمایاں ہے۔ یہ اسلوب ہماری اپنی زبان میں بھی ہے۔

"اذ امرتک" کے لفظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ آدمؑ بجائے خود سزاوار سجدہ نہیں تھے بلکہ خدا کے حکم کی بنا پر اس کے سزاوار ہوئے تھے اور ان کو سجدہ اصلاً و حقیقتہً ان کو سجدہ نہیں تھا بلکہ خود خدا کو سجدہ تھا اس لئے کہ یہ سجدہ اسی کے امتثال امر میں تھا۔

"قال انا خیر منہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین" اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کی سرکشی کی بنیاد اس گھمنڈ پر تھی کہ شرف و عزت کا تعلق نسل و نسب سے ہے اور اس اعتبار سے وہ انسان سے اشرف ہے، وہ آگ سے پیدا ہوا ہے، آدمؑ مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔ قرآن نے یہاں یہ رہنمائی دی کہ شرف و عزت کو نسل و نسب سے متعلق سمجھنے کا فلسفہ ابلیس کی ایجادات میں سے ہے اور جہاں کہیں بھی یہ موجود ہے اسی کی وراثت کی حیثیت سے موجود ہے۔ اللہ کے ہاں جو چیز سبب عزت و سرخروئی ہے وہ صرف اللہ کے حکم کی اطاعت ہے، اس کے سوا کوئی چیز بھی خدا کے ہاں عزت پانے کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔

"قال فاھبط منھا فما یکون لک ان تتکبر فیھا الایہ" جانتے بوجھتے خدا کے حکم سے سرکشی تکبر ہے۔ جو اس تکبر میں مبتلا ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو خدا سے بڑا یا اس کا ہمسر ٹھہراتا ہے جو صریحاً شرک ہے۔ کبریائی صرف خدا کے لیے زیبا ہے۔ جو اس میں حصہ بٹانے کے مدعی بنتے ہیں ان پر خدا کی طرف سے ذلت کی مار پڑتی ہے۔ متکبر کے لئے خدا کی بہشت میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ بہشت صرف خاشعین و عابدین کی جگہ ہے اس وجہ سے ابلیس کو وہاں سے نکلنے کا حکم ہوا اور اس کے تکبر کے جرم میں اس کو دائمی ذلت کی سزا دی گئی۔ آگے اسی طرح کے مستکبرین کے بارے میں فرمایا ہے کہ جس طرح اونٹ سوئی کے ناکے میں نہیں جا سکتا اسی طرح مستکبرین خدا کی بہشت میں نہیں جا سکتے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ۔

(بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور تکبر کر کے ان سے اعراض کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو جائے)

بعینہٖ یہی بات سیدنا مسیحؑ نے فرمائی ہے کہ جس طرح اونٹ سوئی کے ناکے میں نہیں جا سکتا اسی طرح دولت مند خدا کی بہشت میں نہیں جا سکتا۔ دونوں تعبیروں میں صرف یہ فرق ہے کہ قرآن نے اصل جرم، استکبار کا حوالہ دیا ہے اور سیدنا مسیحؑ نے علتِ جرم یعنی "دولت" کا، جو بالعموم استکبار کا سبب بن جاتی ہے۔ اس تفصیل سے واضح ہوا کہ شیطان کا اصل جرم استکبار تھا جس کے سبب سے وہ جنت سے نکالا گیا اس وجہ سے جو لوگ اس جرم میں اس کے ساتھی بنیں گے ان کے لیے خدا کی بہشت میں کوئی مقام نہیں ہے۔

انسان کے لیے اصل معرکۂ امتحان

'قال انظرنی الی یوم یبعثون، قال انک من المنظرین' ابلیس کو چونکہ ذلت کے ساتھ جنت سے نکل جانے کا حکم ہوا اس وجہ سے اس کو گمان ہوا کہ اب اس کے لیے سعی و عمل کی کوئی مہلت باقی نہیں رہی ہے۔ اس پر اس نے خدا سے درخواست کی کہ اسے مہلت عطا کی جائے کہ وہ ثابت کر سکے کہ انسان فی الواقع اس شرف کا سزاوار نہیں ہے جو اُسے بخشا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ مہلت دے دی۔ یہی وہ موڑ ہے جہاں سے انسان کی زندگی کارزار امتحان میں داخل ہوتی ہے۔ شیطان نے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے، اپنا پورا زور اس بات کے لیے لگانے کا منصوبہ بنایا کہ وہ انسان کو نااہل و نالائق ثابت کر دے اور انسان کی سعادت و کامرانی اس بات میں ٹھہری کہ وہ یہ ثابت کرے کہ فی الواقع وہ اس کا اہل ہے۔

[illegible]

یہ مہلت سعی و عمل چونکہ انسان کو موت تک ہی حاصل ہے اس وجہ سے شیطان کو بھی ورغلانے اور بہکانے کا موقع صرف انسان کی موت ہی تک ہے۔ مر جانے کے بعد جس طرح انسان پر سعی و عمل کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اسی طرح شیطان کے لیے بھی اس پر زور آزمائی کی راہ مسدود ہو جاتی ہے لیکن یہ فیصلہ کہ کون جیتا کون ہارا، قیامت کے دن ہی ہوتا ہے اس وجہ سے ابلیس نے مہلت 'الی یوم یبعثون' تک مانگی۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ اس نے اپنی یہ درخواست منظور کرا کے انسان کے شرف و مزیت کے معاملہ کا فیصلہ قیامت پر ملتوی کرا دیا۔ اب وہیں یہ فیصلہ ہوگا کہ انسان اس تاجِ زریں کا سزاوار ہے یا نہیں؟ اگر وہ سزاوار ٹھہرا تو اس کے لیے جنت کی ابدی نعمتیں ہیں ورنہ جس طرح شیطان دوزخ میں ہوگا اسی طرح انسان بھی دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنائے گا۔

ابلیس کا چیلنج اللہ تعالیٰ کو

'قَالَ فَبِمَا اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ'۔ اپنی درخواست منظور کرا لینے کے بعد یہ چیلنج ابلیس نے اللہ تعالیٰ کو دیا۔ اس نے اپنا اصل حریف اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھا اسی وجہ سے چیلنج بھی اللہ تعالیٰ ہی کو دیا۔ گویا اس کارزارِ امتحان میں، شیطان کے نقطۂ نظر سے، اصل مقابلہ شیطان اور انسان کے درمیان نہیں بلکہ خدا اور شیطان کے درمیان ہے۔ 'فَبِمَا اَغْوَيْتَنِيْ' (بوجہ اس کے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا) کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے سجدہ نہ کرنے کے معاملے میں اپنے رویہ کو بالکل صحیح سمجھا۔ اس کے نزدیک اس کی گمراہی خود کردہ نہیں بلکہ (نعوذ باللہ) خدا کردہ ہے۔ گویا خدا نے اسے ڈالا ہی تھا ایسے امتحان میں جس سے وہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتا تھا اس وجہ سے وہ گمراہ ہوا تو اس گمراہی پر نعوذ باللہ خدا ہی نے اس کو مجبور کیا۔

شیطان کی اصل گھات

'صِرَاطَ مُسْتَقِيْم' سے مراد توحید کی راہ ہے۔ انسان کی فطرت اور خدا میں براہ راست ربط ہے۔ فطرت کی راہ میں غیر فطری کج پیچ نہ پیدا کر دیئے جائیں تو انسان توحید کے سوا کوئی اور راہ نہیں اختیار کر سکتا۔ اس وجہ سے توحید کو قرآن میں بھی اور دوسرے آسمانی صحیفوں میں بھی 'صراطِ مستقیم' سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ جب تک انسان اس راہ پر قائم رہتا ہے اس وقت تک، وہ سست رَو اور آبلہ پا ہو کر بھی رو بمنزل رہتا ہے اس وجہ سے دیر سویر منزل پر پہنچ ہی جاتا ہے۔ برعکس اس کے، اگر وہ سڑک کے کسی موڑ کی طرف مڑ جائے تو اصل منزل سے روگردان ہو جاتا ہے اور پھر وہ جتنے قدم بھی آگے بڑھتا ہے اس کا سفر کسی 'ضلال مبین' ہی کی راہ میں ہوتا ہے۔ یہ رمز ہے جس کے سبب سے شیطان کو انسان پر پوری فتح حاصل کرنے کا اس وقت تک موقع نہیں ملتا جب تک وہ اس کو توحید کی شاہراہ سے ہٹا کر کسی پگ ڈنڈی پر نہ ڈال دے۔ چنانچہ اس نے اپنے چیلنج میں آشکارا الفاظ میں بتا دیا کہ وہ انسان کی گھات میں توحید کی راہ پہ بیٹھے گا اور اس راہ سے اس کو بے راہ کرنے کی کوشش کرے گا۔

'ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ'۔ یہ بیان ہے شیطان کے حملہ کی قوت، وسعت اور ہمہ گیری کا خود اس کی زبان سے۔ وہ ہر جہت، ہر سمت، ہر پہلو سے انسان پر حملہ کرے گا۔ وہ اس کے مشاہدات، احساسات، جذبات، خواہشات ہر راہ سے اس کے اندر گھسنے کی کوشش کرے گا۔ وہ اس کے فکر، فلسفہ، علم، ادراک ہر چیز کو مسموم کرے گا۔ وہ اس کی تحقیق، تنقید، تصنیف، تالیف، ادب، آرٹ، لٹریچر ہر چیز میں اپنا زہر گھولے گا۔ وہ اس کے تہذیب، تمدن، معیشت، معاشرت، تعلیم، تربیت، سیاست اور مذہب ہر چیز کے اندر فساد برپا کرے گا۔ شیطان کا یہی چیلنج سورۂ بنی اسرائیل میں بدیں الفاظ نقل ہوا ہے۔

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ
عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ قَالَ
اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ
جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝
وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ
بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ
وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ
وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ
الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ عِبَادِيْ
لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۭ وَكَفٰى
بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝ ۶۲-۶۵

(ذرا دیکھو تو، یہی ہے وہ جس کو تو نے مجھ پر فضیلت بخشی ہے! اگر تو نے قیامت تک کے لیے مجھے مہلت بخشی تو قدر قلیل کے سوا میں اس کی ساری ذریت کو چٹ کر جاؤں گا۔ خدا نے فرمایا، چل دور ہو، جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے تو تمہارا بھرپور بدلہ جہنم ہے۔ تو ان میں سے جن کو اپنے شور و شغب سے اکھاڑ سکے اکھاڑ لے اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لے اور ان کے مال و اولاد میں ساجھی بن جا اور ان کو اپنے پرفریب عدوں کے سبز باغ دکھا۔ شیطان کے سارے وعدے ان سے محض دھوکے کی ٹٹی ہیں۔ بے شک تجھ کو خاص بندوں پر کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا اور تیرا رب اعتماد کے لیے کافی ہے)

اس آیت سے شیطان کے پروپیگنڈے کے زور اور اس کی وسعت کا بھی اظہار ہو رہا ہے اور یہ بات بھی نکلتی ہے کہ وہ اپنے منصوبے کو بروئے کار لانے کے لیے سیاسی ہتھکنڈے بھی استعمال کرے گا۔ البتہ ایک پہلو اس میں تسلی کا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس کو انسان پر یہ اختیار نہیں بخشا کہ وہ اس کے ارادے اور اختیار کو سلب کر سکے۔ انسان کا ارادہ و اختیار بہرحال باقی رہے گا۔ اس وجہ سے اللہ کے جو بندے صراط مستقیم پر قائم رہنے کا عزم کرلیں گے وہ شیطان کی تمام غوغا آرائیوں کے علی الرغم اس پر قائم رہیں گے، اگرچہ اس کے لئے انہیں جان ہی کی بازی کھیلنی پڑے!

توحید کی اصل روح

ولا تجد اکثرھم شاکرین: کا ٹھیک ٹھیک مطلب یہ ہے کہ تو ان کی اکثریت کو اپنا موحد نہیں پائے گا اس لئے کہ توحید کی اصل حقیقت یہی ہے کہ بندہ اپنی ہر نعمت کو اللہ ہی کا عطیہ اسی کا فضل جانے اور اسی کا شکر گزار رہے۔ اگر وہ اس کو غیر اللہ کی طرف منسوب کردے تو یہ شرک ہے۔ اس مسئلہ پر پیچھے بھی بحثیں گزر چکی ہیں اور آگے بھی اسی سورہ میں اس کے بعض نہایت اہم پہلو سامنے آئیں گے۔ اوپر آیت ۱۰ پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔

اللہ کا دو ٹوک فیصلہ

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَدْحُورًا لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ الآیہ ۔

اللہ تعالٰی نے شیطان کو وہ مہلت تو دے دی جو اس نے مانگی لیکن ساتھ ہی اس نے اس کو ذلیل و خوار کر کے جنت سے نکال بھی دیا اس لئے کہ جنت میں متمردین و متکبرین کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ان لوگوں کا انجام بھی واضح فرما دیا جو انسانوں اور جنوں میں سے اس کی پیروی کریں گے۔ فرمایا کہ میں ان سب کو تیرے سمیت جہنم میں بھر دوں گا۔ الفاظ پر غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ جس طنطنہ اور زور کے ساتھ شیطان نے انسان کو گمراہ کرنے اور ان کی اکثریت کو جیت لینے کے عزم کا اظہار کیا ہے، اللہ تعالٰی نے اس کا جواب بھی پوری شان بے نیازی اور جبروت کے ساتھ دیا ہے جس سے واضح ہے کہ خدا کا یہ فیصلہ دو ٹوک ہے، اس میں کسی رو رعایت کی گنجائش نہیں ہے۔

وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ○ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْآتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ ○ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ ○ فَدَلَّاهُمَا بِغُرُورٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ ○ وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَأَقُلْ لَكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُبِينٌ ○ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ○ قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ○ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ۔ ۱۹ - ۲۵

سرگزشت آدم و ابلیس کے مزید مضمرات

یہ اسی سرگزشت کا آگے کا حصہ بیان ہو رہا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ شیطان کو جنت سے نکالنے کے بعد آدم و حوا کو اللہ تعالٰی نے ہدایت فرمائی کہ تم چین سے جنت میں رہو، اس کی تمام نعمتوں سے آزادی کے ساتھ فائدہ اٹھاؤ، بس اتنا خیال رکھنا کہ فلاں درخت کے پاس نہ پھٹکنا ورنہ تم خود اپنی جان پر ظلم ڈھاؤ گے اور اس جنت سے محروم ہو جاؤ گے۔ شیطان نے یہیں سے آدمؑ پر حملہ کرنے

کی راہ نکال لی۔ اُس نے آدمؑ و حوا کو یہ پٹی پڑھائی کہ اس باغ میں کوئی درخت فائدہ اٹھانے کا ہے تو وہی ہے جس سے تمہیں تمہارے رب نے روک رکھا ہے۔ اس سے تمہیں محض اس وجہ سے روکا گیا ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا تمہاری زندگی ابدی نہ ہو جائے۔ شیطان نے قسمیں کھا کھا کے آدمؑ وحوا کو اپنی خیر خواہی کا یقین دلا دیا۔ بالآخر انہیں اس درخت کا پھل کھا لینے پر آمادہ کر لیا۔ اس کا پھل چکھتے ہی وہ حلۂ جنت سے محروم ہو گئے اور اپنے آپ کو ڈھانکنے کے لئے انہوں نے اپنے اوپر پتے سینے شروع کر دیئے۔ اس وقت خدا نے ان کو آواز دی کہ میں نے تو تمہیں اس درخت سے روک دیا تھا اور آگاہ کر دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ وہ اپنی دشمنی کا کھلے بندوں اعلان کر چکا ہے۔ اس پر آدمؑ وحوا کو تنبہ ہوا۔ انہوں نے فوراً توبہ و استغفار کی جو اللہ تعالےٰ نے قبول بھی فرمالی لیکن ساتھ ہی آدم وحوا اور ابلیس سب کو وہاں سے نکلنے کی ہدایت ہوئی کہ اب تمہارا مستقر زمین ہے۔ اس میں تم ایک دوسرے سے آزمائے جاؤ گے۔ پھر جو اس جنت کا اپنے آپ کو حقدار ثابت کرے گا وہ جنت پائے گا اور جو دوزخ کا سزاوار ٹھہرے گا وہ دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

اس سرگزشت کے سنانے سے جن حقائق کا سراغ دینا مقصود ہے ان پر تفصیل سے سورہ بقرہ کی تفسیر میں ہم روشنی ڈال چکے ہیں۔ البتہ جو باتیں وہاں زیرِ بحث نہیں آئی ہیں ان کی وضاحت ہم یہاں کریں گے۔

'یا آدم اسکن ... الشجرۃ' پر بقرہ کی تفسیر میں بحث گزر چکی ہے۔ 'فکلا من حیث شئتما ولا تقربا ھٰذہ الشجرۃ' سے یہ بات نکلتی ہے کہ پوری جنت کی ہر چیز سے آدمؑ وحوا کو فائدہ اٹھانے کی آزادی حاصل تھی، صرف ایک درخت سے ان کو روکا گیا تھا لیکن وہی درخت ان کے لئے آزمائش بن گیا۔ شیطان نے اس شجرہ ممنوعہ کے فوائد و برکات پر ایسی دلفریب تقریر کی کہ آدمؑ اللہ کے عہد پر قائم نہ رہ سکے۔ شیطان کی یہی ٹیکنیک اولاد آدم کے ساتھ اس دنیا میں بھی ہے۔ اس دنیا کی ہر چیز انسان کے لئے مباح ہے صرف گنتی کی چند چیزیں ہیں جو ممنوع ہیں شیطان بس انہی چیزوں کو لے کر اپنی اور اپنے کارندوں کی وسوسہ اندازیوں سے لوگوں کو باور کراتا ہے کہ تمہاری ساری کامیابی و ترقی کا راز بس انہی چیزوں کے اندر مضمر ہے جن سے روک دیا گیا ہے۔

'فوسوس لھما الشیطان لیبدی لھما ... الایۃ' ہر چند شیطان مردود قرار پا کر جنت سے نکالا جا چکا تھا لیکن اوپر گزر چکا ہے کہ اس نے آدمؑ و اولاد آدمؑ کو ورغلانے اور بہکانے کے لئے مہلت حاصل کر لی تھی۔ اس مہلت کے سبب سے معلوم ہوتا ہے اس کو آدمؑ وحوا تک

پہنچنے پر کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ چنانچہ اس سے اس نے فائدہ اٹھایا اور وسوسہ اندازی کے لیے آدمؑ کے پاس پہنچ گیا۔

'لیبدی لھما ما وری عنھما' میں 'ل' عاقبت کا ہے۔ شیطان کی کوشش تو، جیسا کہ اس نے اپنے چیلنج میں ظاہر کیا ہے آدمؑ کو کفران نعمت اور خدا کی نافرمانی میں مبتلا کرنے کی تھی لیکن اس کا انجام چونکہ اس شکل میں ظاہر ہوا کہ آدم و حوا حلۂ جنت سے محروم ہو گئے اس وجہ سے تعبیر اس کو اس طرح فرمایا گیا ہے گویا شیطان کی کوشش تھی ہی اسی مقصد کو سامنے رکھ کر۔ حلۂ جنت سے یہ محرومی اشارہ تھی اس بات کی طرف کہ اب آدمؑ کو اپنی ساری ضروریات اپنی سعی و محنت سے فراہم کرنی ہیں۔ اب تک ان کے لیے ہر چیز کا جو خدا سازانتظام تھا وہ اس نافرمانی کے بعد ختم ہو گیا۔

'ما نھاکما ربکما عن ھذہ الشجرۃ الا ان تکونا ملکین' ابلیس نے آدمؑ کو لالچ دیا کہ اس درخت کا پھل کھانے سے یا تو وہ فرشتوں کے مرتبے میں آجائیں گے یا انہیں ابدی زندگی حاصل ہو جائے گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے سجدہ سے مشرف ہونے کے باوجود آدمؑ فرشتوں کے مرتبہ کو اپنے سے اونچا سمجھتے تھے نیز وہ یہ جانتے تھے کہ یہ زندگی جو ان کو حاصل ہوئی ہے ابدی زندگی نہیں ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شیطان ان کو ان دونوں چیزوں کے نام پر ورغلانے کی کوشش میں کامیاب نہ ہوتا۔

شیطان کا مقصود فرشتوں اور زندگی سے متعلق

'وقاسمھما انی لکما لمن الناصحین' 'مقاسمہ' باب مفاعلت سے ہے جو عام طور پر تو مشارکت کے مفہوم کے لئے آتا ہے لیکن کبھی کبھی یہ صرف تکثیر اور مبالغہ کے لیے بھی آتا ہے یہاں 'اقسم' کے بجائے 'قاسم' کا لفظ جو استعمال ہوا ہے اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ شیطان کو اپنا اعتماد جمانے کے لیے بڑی جدوجہد کرنی پڑی۔ بار بار قسمیں کھا کھا کے اسے یہ یقین دلانا پڑا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے، محض بربنائے خیرخواہی کہہ رہا ہے، اس میں کسی بدنیتی کو دخل نہیں ہے۔

مفاعلت، مبالغہ کے مفہوم میں

'فدلھما بغرور' یہ 'ادلاء الدلو' سے نکلا ہوا محاورہ ہے۔ 'دلی فلانا بغرور' کے معنی ہیں 'اوقعہ فیما اراد من تغریرہ'، اس نے اس کو جس فریب میں مبتلا کرنا چاہا اس میں مبتلا کر دیا، اس کو اپنے ڈھب پر لانے میں کامیاب ہو گیا، اس کو شیشہ میں اتار لیا۔

'فلما ذاقا الشجرۃ بدت لھما سوآتھما وطفقا یخصفان علیھما من ورق الجنۃ' درخت چکھنے کے معنی درخت کا پھل چکھنے کے ہیں۔ عربی میں مضاف کے حذف کر دینے کا اسلوب بہت معروف ہے۔ خصف کے معنی گانٹھنے، گوٹھنے، جوڑنے کے ہیں۔ یہ درخت، جیسا کہ اوپر گزرا آدمؑ پر حرام ٹھہرایا گیا تھا اس وجہ سے اس کا پھل کھا لینے کی سزا ان کو یہ ملی کہ وہ

ستر پوشی انسان کی فطرت ہے

حلۂ جنت سے محروم ہو گئے۔ لباس کا بنیادی مقصد چونکہ ستر ہے اور اس سے اچانک محرومی کا اولین اثر انسان پر بے پردگی کے احساس کی شکل میں بطور ایک حادثہ کے پڑتا ہے اس وجہ سے صورت واقعہ کی پوری تصویر سامنے لانے کے لیے اس کو "بدت لہما سوا تہما" کے الفاظ سے تعبیر فرمایا۔ "وطفقا یخصفان علیہما من ورق الجنۃ" کے اسلوب بیان سے اس گھبراہٹ اور سراسیمگی کا اظہار ہو رہا ہے جو اس اچانک حادثے سے آدمؑ و حوا پر طاری ہوئی۔ جونہی انہوں نے محسوس کیا کہ وہ ننگے ہو کر رہ گئے ہیں فوراً انہیں اپنی ستر کی فکر ہوئی اور جس چیز پر ہاتھ پڑ گیا اس سے ڈھانکنے کی کوشش کی چنانچہ کوئی چیز نہیں ملی تو باغ کے پتے ہی اپنے اوپر گانٹھنے گوتھنے لگے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ستر کا احساس انسان کے اندر بالکل فطری ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں محض عادت کی پیداوار ہیں ان کا خیال بالکل غلط ہے۔ جس طرح توحید فطرت ہے، شرک انسان مصنوعی طور پر اختیار کرتا ہے، اسی طرح حیاء فطرت ہے، بے حیائی انسان مصنوعی طور پر اختیار کرتا ہے۔ اس پر تفصیلی بحث اپنے محل میں آئے گی۔

"ونادٰھما ربھما الم انھکما الایہ" یہ اشارے ہیں ان تنبیہات کی طرف جو اوپر آیات ۱۷-۱۹ میں گزر چکی ہیں۔ آدمؑ پر شیطان کی دشمنی کی نوعیت بھی اچھی طرح واضح کر دی گئی تھی، اس کا اور اس کی پیروی کرنے والوں کا انجام بھی واضح کر دیا گیا تھا اور خاص اس درخت کی نشاندہی بھی تعین کے ساتھ کر دی گئی تھی جس سے ان کو خطرہ پیش آ سکتا تھا۔

"قالا ربنا ظلمنا انفسنا" یہ آدمؑ و حوا کی وہ توبہ ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا تنبیہ کے بعد کی۔ اس توبہ کا ذکر سورہ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے۔ وہاں ہم نے تفصیل سے اس پر بحث کی ہے۔ اس توبہ سے آدمؑ نے ہاری ہوئی بازی پھر جیت لی۔ ابلیس کے متعلق تو اوپر گزر چکا ہے کہ وہ خدا کی نافرمانی کر کے، تنبیہ کے باوجود، اکڑ گیا لیکن آدمؑ و حوا نے اپنی غلطی پر ندامت کا اظہار کیا، خدا سے معافی مانگی اور بقرہ میں تصریح گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور ان پر رحم فرمایا اور اس طرح آدمؑ نے اپنے عمل سے اپنی ذریت کے لیے مثال قائم کی کہ اگر شیطان کے ورغلانے سے انسان کوئی ٹھوکر کھا جائے تو اس کے نتائج سے بچنے کی راہ توبہ ہے۔

توبہ سے آدمؑ نے ہاری ہوئی بازی پھر جیت لی

"قال اھبطوا بعضکم لبعض عدو الایہ" اس آیت کے تمام پہلوؤں پر بقرہ کی تفسیر میں بحث گزر چکی ہے۔ آدمؑ و حوا نے اگرچہ توبہ کر لی تھی اور ان کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول بھی فرما لی تاہم حکمت الٰہی کا تقاضا یہی ہوا کہ آدمؑ و حوا جنت سے نکلیں اور اس دنیا میں رہ کر وہ اور ان کی ذریت شیطان اور اس کی ذریت سے مقابلہ کریں، پھر اس میدان میں جو شیطان سے بازی لے جائیں وہ

جنت کے وارث ٹھہریں ۔ گویا مقابلہ تو وہی رہا جس کا ابلیس نے چیلنج دیا تھا لیکن میدان مقابلہ جنت کے بجائے یہ دنیا بنا دی گئی اور جنت کو انعام قرار دے دیا گیا اولادِ آدم میں سے ان خوش بختوں کے لیے جو شیطان کے مقابل سرخرو ٹھہریں ۔

آدم اور ابلیس دو محارب فریق

بعضکم لبعض عدو' کے ٹکڑے پر تفصیل سے تفسیر بقرہ میں بحث گزر چکی ہے ۔ یہاں اسلوب کلام دلیل ہے کہ اس میدان میں آدم و ابلیس کو اتارا ہی دو محارب فریقوں کی حیثیت سے گیا ہے ۔ شیطان کو یہ مہلت دی گئی ہے کہ وہ اولاد آدمؑ میں سے جن کو جیت سکتا ہے جیت لے اور اولاد آدمؑ کو یہ موقع دیا گیا ہے کہ جو جنت کی میراث حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ شیطان کو پچھاڑیں اور جنت جیت لیں ۔

نصاریٰ کا ایک مغالطہ

یہاں اس مغالطہ سے متنبہ رہنا ضروری ہے جو نصاریٰ کو پیش آیا وہ سمجھتے ہیں کہ انسان بھی اس دنیا میں شیطان کی طرح لعنتی ہو کر اترا ہے اور اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے انہوں نے کفارہ کا ایک خانہ ساز عقیدہ گھڑا ہے ۔ قرآن نے بقرہ میں بھی اور یہاں بھی نہایت واضح رہنمائی دی ہے کہ آدمؑ توبہ کے بعد اپنی پچھلی غلطی کے خمیازہ سے بالکل پاک ہو کر اس دنیا میں آئے ہیں اور اس دنیا میں ان کا بھیجا جانا اس لیے ہوا ہے کہ وہ اور ان کی ذریت شیطان کے مقابل میں اپنے عزم و ایمان سے اپنے آپ کو اس عزت کا حقدار ثابت کر دیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو بخشی اور جو شیطان کے حسد کا باعث ہوئی ۔

آدم و اولاد آدم کے لیے امتحان کے مراحل

قال فیہا تحیون (الآیہ) یہ ان مراحل کا بیان ہے جن سے اس دنیا میں آدمؑ و اولادِ آدم کو گزرنا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ اب ان تمام مراحل سے گزر کر تم ہمارے پاس لوٹو گے اور اس وقت ہم تمہیں بتائیں گے کہ تم نے کیا کھویا ہے، کیا پایا ہے اور اس میدان مقابلہ سے تم سرخ رو ہو کر لوٹے ہو یا نامراد ہو کر ۔

★

مقالات

چاند اور دُوسرے اجرامِ فلکی تک انسان کی رسائی ہرگز اسلامی تعلیمات کے خلاف نہیں

از قلم:
شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز
وائس چانسلر، اسلامی یونیورسٹی، مدینہ منورہ
(ترجمہ: پروفیسر محمد منوّر)

الحمد للّٰہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبیّ بعدہٗ وعلیٰ آلہٖ و صحبہٖ

بعد حمد و صلوٰۃ عرض ہے کہ آجکل ایک مسئلہ بار بار سامنے آ رہا ہے یعنی بعض خلابازوں کا یہ دعوےٰ ہے کہ وہ چاند کی سطح تک پہنچ چکے ہیں نیز یہ کہ وہ چاند کے علاوہ دوسرے کواکب پر پہنچنے کی بھی کوشش کر رہے ہیں۔ اس مسئلے کے بارے میں بہت سوال جواب ہوئے، غور و خوض عمل میں آیا، جس سے آگاہ ہو کر میں نے مناسب جانا کہ اس مسئلے کی راہ صاف کرنے کے لئے دو حرف تحریر کر دوں تاکہ اس ضمن میں حقیقت حال پر روشنی پڑے۔ انشاء اللہ۔

میری گزارش یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالےٰ نے بغیر آگاہی کے بات کرنا اپنے بندوں کے لئے حرام قرار دیا ہے اور اس بارے میں ان کو متنبہ کرنے کے لیے اپنی کتاب مبین میں فرمایا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَا	کہہ دے کہ میرے رب نے ہر بے حیائی
حِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ	کو حرام قرار دیا ہے، وہ برائی ظاہر ہو یا
وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ	پوشیدہ — ناحق زیادتی کو بھی حرام قرار دیا

وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

ہے، اس بات کو بھی کہ تم اس شے کو اللہ کا شریک ٹھہراؤ جس کے ضمن میں اللہ نے کوئی سند نہیں اتاری، اور اس سے بھی کہ اللہ پر وہ کچھ تھوپ دو جس کو تم نہیں جانتے) ۷/۳۳

اسی طرح خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۝

(جس شے کے بارے میں تجھے کچھ بھی معلوم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ جا۔ بالتحقیق کان، آنکھ اور دل سب اس کی طرف سے جوابدہ ہیں) ۱۷/۳۶

اور اللہ سبحانہ نے اس امر سے بھی باخبر کیا کہ شیطان بغیر آگاہی کے بات کرنے کی ہدایت دیتا ہے:

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝"

(اے لوگو زمین کی چیزوں میں جو کچھ حلال وپاکیزہ ہے کھاؤ اور دیکھو! شیطان کی پیروی نہ کرو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تو تمہیں بدی اور بے حیائی ہی کا حکم دے گا، اور یہ کہے گا کہ اللہ پر وہ کچھ تھوپ دو جس کا تمہیں علم نہیں۔ ۲/۱۶۸-۶۹

اسی انداز پر اللہ تعالیٰ وسبحانہ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ فاسقوں کے ذریعے ملنے والی خبروں کی اچھی طرح چھان پھٹک کر لیا کریں۔ چنانچہ فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ "جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ"

(اے اہل ایمان اگر کوئی بدعمل شخص تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی خوب تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ اندھا دھند کسی قوم پر ٹوٹ پڑو اور پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہو (۴۹/۶)

عامۃ المسلمین پر عموماً اور طالبانِ علم پر خصوصاً واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ضمن میں کوئی بات بغیر آگاہی کے نہ کہیں چنانچہ اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھنے والوں کے لئے جائز نہیں کہ وہ کہیں یہ حرام ہے۔ یہ حلال ہے۔ یہ جائز ہے یہ ممنوع ہے۔ وہ اگر ایسا کہیں تو کسی لائقِ اعتماد حجت کی بنا پر کہیں۔ اگر کوئی حجت میسر

نہیں تو اُن کے لیے بھی وہی راہ کھلی ہے جو ان کے پیشرو اہل علم کے لیے کھلی تھی نیز یہ کہ ان کو جس بات کا علم نہ ہو اس میں مداخلت نہ کریں اور یہ کہہ دیں کہ ہر بات کا بہتر علم اللہ ہی کے پاس ہے، میں تو نہیں جانتا فرشتوں نے اللہ عزوجل کے حضور کیا خوب عرض کیا تھا۔

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۔ (اے ذاتِ بے ہمتا! ہمیں تو بس وہی کچھ معلوم ہے جو کچھ تو نے ہمیں سکھایا، سب سے بڑا عالم بھی تو ہی ہے اور سب سے بڑا صاحب حکمت بھی تو ہی ہے $\frac{۲}{۳۲}$)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے جب کوئی ایسی بات پوچھتے جس کا انہیں علم نہ ہوتا تو وہ جواب دیتے " اللہ اور اللہ کا رسول بہتر جانتے ہیں " ـــــ ان کا یہ قول فقط اس لئے تھا کہ انہیں کمال علم و ایمان میسر تھا، اور وہ اللہ کی تعظیم بدرجۂ اتم کرتے تھے۔ وہ اختراع اور گھڑ نٹ سے دور بھاگتے تھے فُسّاق و کفّار وغیرہ کے اُن جملہ اقوال کی چھان پھٹک کا فرض بھی اسی ذیل میں آتا ہے جو کواکب، ان کے خواص اور ان تک رسائی کے امکان وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں ـــــ چنانچہ مسلمانوں پر اس معاملے میں بھی وہی کچھ واجب ہے جو دوسرے معاملات میں ہے اور وہ ہے خوب جانچ پڑتال کر لینا، تصدیق و تکذیب کا اقدام فقط اس وقت کیا جائے جب اتنی کافی معلومات حاصل ہو جائیں کہ ان کی بنا پر ایک مردِ مسلم پورے اطمینان کے ساتھ تصدیق و تکذیب پر قادر ہو سکے، اور یہی انداز مقصود ہے سورۂ حجرات سے تعلق رکھنے والی آیۂ سابقہ کا " يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا " ـــــ " تبیّنوا " سے چھان پھٹک مراد ہے۔ یہاں تک کہ ایسے قرائن یا ایسی معلومات ہاتھ لگ جائیں کہ اہلِ فسق کی لائی ہوئی خبر کی تصدیق یا تکذیب ہو سکے۔ اللہ تعالےٰ نے یہ نہیں کہا کہ اگر کوئی فاسق شخص خبر لائے تو اسے ردّ کر دو۔ اللہ تعالےٰ نے اس کے برعکس تحقیق و تصدیق کا حکم دیا ہے اس لئے کہ فاسق خواہ وہ کافر ہے یا کوئی معصیت کار مسلم، سچی خبر بھی تو لا سکتا ہے، لہذا اس کے معاملے کی دیکھ بھال واجب ہے۔ اللہ تعالےٰ نے کفار کے اس رویے کو سخت ناپسند کیا ہے کہ وہ قرآن کی تکذیب بے جانے بوجھے کرتے ہیں، لہذا اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ (برعکس اس کے انہوں نے تو ہر اس چیز کو جھٹلا دیا جس کے علم کا احاطہ نہ کر سکے ـــ اور حال یہ ہے کہ تاحال اس امر کی کوئی وضاحت ان

قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۔

تک نہیں پہنچی، ان کے پیشرو بھی اسی طرح جھٹلایا کرتے تھے لہذا دیکھ کہ حد سے تجاوز کرنے والوں کا انجام کیا ہوا - ۱۰/۳۸)

علامہ ابن القیمؒ نے اپنے قصیدے "کافیۃ الشافیۃ" میں کیا خوب کہا ہے۔

ان البدار برد شیئ لم تحط　　علماً بہ سبب الی الحرمان

(کسی شئے کو پوری طرح جانے بغیر کھٹ سے رد کر دینا محرومی کا سبب بن جاتا ہے)

اس سے بھی عظیم تر اور خوفناک تر اقدام یہ ہے کہ کسی کو کتاب الٰہی اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل شدہ لائق اعتماد حجت کے بغیر کافر یا فاسق قرار دے دیا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا اقدام اللہ اور اللہ کے دین کے خلاف جسارت و گستاخی کا ارتکاب ہے، اور یہ اسی ذیل میں آتا ہے جس ذیل میں بغیر آگاہی اور علم کے اللہ کے ضمن میں ناصواب کہے جانا۔ یہ رویہ اہل علم اور اہل ایمان، سلف صالحین رضی اللہ عنہم کی روش کے بالکل خلاف ہے — اللہ نے کرم کیا کہ ہمیں ان صالحین کا پیرو بنایا — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درست مروی ہے کہ آپ نے فرمایا " من قال لاخیہ یا کافر فقد باء بھا احدھما — (جس نے اپنے بھائی کو کافر کہہ کر خطاب کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان دو میں سے ایک پر ضرور اس قول کی زد پڑی) اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ " من دعا رجلاً بالکفر او قال یا عدو اللہ ولیس کذلک الا حار علیہ " (جس شخص نے کسی غیر کافر کو کافر کہا یا اے دشمن خدا کہا اس کا یہ قول اسی پر پلٹ پڑا) — مطلب یہ کہ وہ خود اپنے قول کا ہدف بن گیا، یہ گویا بڑی شدید وعید ہے جو متنبہ کر رہی ہے کہ بے علم و بصیرت کسی کو کافر اور فاسق ہرگز ہرگز نہ کہا جائے اسی طرح یہ اور اس قبیل کی دیگر ہدایات ہیں جو بسیار گوئی اور سکوت سے بالتنبیہ روکتی ہیں ماسوا اس کے کہ مقصود خیر ہو اور بربنائے علم ہو۔

بہر حال ہمیں موضوع بحث کی طرف جو پیش نظر ہے لوٹنا چاہیئے۔ تو عرض ہے کہ ہم نے قرآن کریم میں مندرج ان سب آیات پر غور کیا جن کا تعلق سورج، چاند اور ستاروں سے ہے اور ہمیں کوئی ایسی شے نہیں ملی جو صریحاً اس امر پہ دلالت کرے کہ چاند اور دیگر ستاروں تک رسائی کا امکان معدوم ہے۔ یہی عالم سنت مطہرہ کا ہے۔ وہاں بھی ایسی کوئی چیز نہیں ملی۔ اس امر کو تسلیم نہ کرنے والوں یا اس کے قائلوں کو کافر قرار دینے والوں کے بارے میں خداوند کریم نے اپنی کتاب حکیم میں جو کچھ فرمایا ہے اس کا خلاصہ سورۂ حجرات کی رو سے یہ ہے :

"وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ"

(ہم نے آسمان میں بروج بنائے اور اسے اہل نظر کے لیے سجا دیا، اور اسے ہر شیطان مردود سے بچا بھی رکھا ہے، ماسوا اس کے جو چوری چھپے کان لگائے مگر اس کے پیچھے پڑ جاتا ہے انگارہ درخشندہ ۱۵/۱۶)

اسی طرح خدا تعالیٰ نے سورہ فرقان میں ارشاد کیا ہے:

"تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَّجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَّقَمَرًا مُّنِيرًا"

(متبرک ہے وہ ذات جس نے آسمان میں برج بنائے اور پھر اس میں چراغ رکھ دیا اور ماہتاب بھی جو تابندہ کر دیتا ہے۔ ۲۵/۶۱)

سورہ صافات میں فرمایا:

"إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ۔ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ۔ لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ وَيُقْذَفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ۔ دُحُورًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ۔ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ"

(اور ہم نے سجایا نیچے والے (دنیا والے) آسمان کو ستاروں کی سجاوٹ سے اور اسے ہر شیطان سرکش سے محفوظ رکھا، وہ اوپر والی مجلس سے کچھ بھی سن نہیں سکتے۔ انہیں ہر جانب سے ہانک دیا جاتا ہے، اور انہیں پے در پے مار پڑتی ہے، ماسوا اس کے جو جھپاک سے کچھ اچک لایا مگر اس کے پیچھے درخشندہ انگارہ لگ جاتا ہے۔ ۳۷/۶)

پھر سورۂ ملک میں فرمایا:

"وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ"

(اور ہم نے سجایا ہے نیچے والے (یا دنیا والے) آسمان کو چراغوں سے اور اسے شیطانوں کے لیے سرکوب بنا دیا۔ ۶۷/۵)

سورہ نوح میں فرمایا:

"أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا۔ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا"

(کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے سات آسمان تہ بر تہ بنا دیئے اور ان میں قمر کو نور اور شمس کو چراغ بنا دیا ۷۱/۱۵-۱۶)

ان آیات کریمات اور اسی مفہوم سے متعلق دوسرے ارشادات الٰہی سے یہ معنی لے لیا گیا کہ کواکب آسمان کے اندر ہیں یا اس کے ساتھ چپکے ہوئے ہیں لہٰذا ان کی سطح تک رسائی کیسے ممکن ہوئی — اسی طرح انہوں نے بعض علمائے فلکیات کے ان آراء پر بھی حاشیہ آرائی کی جن کی رو سے چاند دنیا کے آسمان میں ہے۔ عطارد دوسرے آسمان میں ہے، زہرہ تیسرے میں، سورج چوتھے میں، مریخ پانچویں میں مشتری چھٹے میں اور زحل ساتویں میں —— اس رائے کو بہت سے مفسرین نے نقل کیا ہے اور پھر چپ سادھ لی ہے —— جواباً عرض ہے کہ ان آیات مذکورہ میں ایسی کوئی بات نہیں جو اس امر پہ دلالت کرے کہ سورج، چاند اور دوسرے سیارے آسمان میں داخل ہیں اور اس کے لیے باعثِ زینت ہیں۔ لغت کی رو سے لفظ "سما" کا اطلاق ہر اس شے پہ ہوتا ہے جو بلند اور رفیع ہو، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

" ءَ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ "

(کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو (اگر چاہے) تمہیں زمین میں دھانس دے درآنحالیکہ وہ لرز رہی ہو۔ یا کیا اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے کہ (چاہے تو) تم پر پتھروں کی بارش برسا دے، عنقریب جان لوگے کہ میرا ڈراوا کیسا ہوتا ہے ۶۷/۱۷)

مفسرین کا ایک گروہ اس امر کا قائل ہے کہ ان دو آیتوں میں "فی" کا کلمہ ظرفیت کے لیے ہے اور یہ کہ "السما" سے مراد علو اور ارتفاع ہے۔ اس ضمن میں ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جہت ارتفاع میں ہے عرش کے اوپر، اس کا معنی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ آسمان (السماء) کا اطلاق بلندی پہ ہوتا ہے، اور لغت عربیہ میں یہ امر عام معروف ہے۔ دوسرے مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں "فی" کا کلمہ "علی" کے معنوں میں آیا ہے لہٰذا یہاں "السماء" سے مراد "سماءٍ" ذوالبناء ہے (وہ کوئی ٹھوس شے ہے) جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے: "فسیحوا فی الارض" —— (زمین پر خوب گھومو پھرو) یہاں "فی" سے "علی" مراد ہے۔ یعنی زمین پر چلو پھرو۔ اسی طرح یہ بھی کہ اللہ آسمان میں ہے دراصل ظاہر کرتا ہے کہ آسمان پہ ہے اور وہ وہاں پوری طرح مسلط و قابض ہے — یہ خدائے عزوجل کی شانِ جلال کے عین مطابق ہے۔ مخلوقات کا قابض و مسلط ہونا اس کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں رکھتا۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے: "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ" (اس کی مثل اور کوئی شے نہیں، وہی سمیع ہے وہی بصیر ہے) اسی طرح فرمایا۔ "ولم یکن کفواً احد" "اس کا ہم جنس و قرین کوئی نہیں"۔ اور مزید فرمایا۔ "فلا تضربوا

للہ الامثال۔ ان اللہ یعلم و انتم لا تعلمون (اللہ تعالٰی کے لیے مثالیں نہ گھڑو، اللہ توجانتاہے، اورتم نہیں جانتے)۔ جس نے اس معنی کو قبول نہ کیا اور اللہ تعالٰی کی توصیف اس کے خلاف کی تو اس نے گویا کتاب وسنّت کے اُن شرعی دلائل کی خلاف ورزی کی جو اللہ سبحانہٗ کے علو اور اس کے عرش پر یوں متمکن ہونے پر دلالت کرتی ہیں جو اس کی شانِ جلالت کے لائق ہے اور یہ بغیر تکییف تمثیل، تحریف اور تعطیل کے ہے، ساتھ ہی یہ بھی کہ اُس نے گویا سلفِ امّت کے اجماع کی بھی مخالفت کی ـــــ اسی ذیل میں حق سبحانہٗ سورہ بقرہ میں ارشاد فرماتے ہیں :

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔	(اے لوگو عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تمہیں اور تمہارے پیشروں کو پیدا، ممکن ہے تم پرہیزگار بن جاؤ، (عبادت کرو اس کی) جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو عمارت بنا دیا، اور پھر آسمان سے پانی بھیجا اور اس پانی کے ذریعے ہر طرح کے پھل نکالے تاکہ تمہارا رزق بنیں۔ لہٰذا دیدہ و دانستہ اللہ کے برابر اور اس کے جوڑ کا کسی کو نہ ٹھہراؤ۔ ۲/۲۱-۲۲)

مفسرین کی ایک جماعت کا بیان یہ ہے کہ " و انزل من السماء ماء " کی آیت میں السماء سے مراد بادل ہیں جن کو لوگوں کے اوپر ہونے اور بلند ہونے کے باعث یہ نام دیا گیا ہے۔ اسی ضمن میں اللہ تعالٰی کا یہ قول بھی آتا ہے جو سورۂ حج میں شامل ہے :

" مَنْ کَانَ یَظُنُّ اَنْ لَّنْ یَّنْصُرَہُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ فَلْیَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَی السَّمَآءِ "	(جسے یہ گمان ہو کہ اللہ دنیا میں اور آخرت میں اس کی ہرگز مدد نہ کرے گا تو اُسے چاہیے کہ آسمان کے رخ کوئی رسّی تان لے۔ ۲۲/۱۵)

مفسرین کی رائے میں اس کا معنی یہ ہے کہ آسمان کی جانب کوئی رسّی تانے، چھت کی سی۔ چنانچہ اسے "سماء" کہا اس علو کے باعث جو اسے اپنے سے نیچے کی چیزوں کے تناسب سے حاصل ہے۔ اسی ضمن میں حق سبحانہٗ کا یہ بیان ہے :

" اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُھَا	(کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسی مثال بیان کی ہے پاکیزہ بات پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس

ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ " کی جڑ مضبوط ہو ٹہنی آسمان میں ہو ۱۴/۵)

یہاں بھی کلمۂ سماء سے علو مراد ہے۔ صاحب قاموس کہتے ہیں "سما" سے مراد سمو یعنی علو ہے کسی چیز کا بلند ہونا، اور اسی سے اَعْلَاہُ (اس نے اسے بلند کیا) کے مترادف "اسْمَاہُ" بنا ــــ آگے چل کر صاحب قاموس کہتے ہیں "السَّمَاءُ" معروف عام ہے۔ ہر کوئی اسی طرح کہتا ہے۔ ہر شئے کی چھت مراد ہے۔ یہاں صاحب قاموس کا بیان ختم ہوا۔ بہرحال لفظ سماء کا کسی مرتفع چیز پر اطلاق پذیر ہونا عام ہے۔ اور اس باب میں کلام الٰہی، کلام رسولِ خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور کلام مفسرین سے بکثرت مثالیں مل جاتی ہیں ــــــ جب یہ امر معلوم ہوگیا تو پھر احتمال یہ ہے کہ (متعلقہ) آیات کا معنیٰ ممکن ہے یہ ہو کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے ان کو اکب کو سماء الدنیا اور ارض کے مابین کسی مدار میں قائم کیا اور پھر مدار کو اس کی بلندی کے باعث "سما" کہا۔ ہمارے علم کی حد تک کوئی دلیل اس مفہوم کو مانع نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ سورج اور چاند فلک (مدار) میں رواں رہتے ہیں۔ سورۂ انبیاء کی یہ دو آیتیں حق سبحانہٗ کا بیان پیش کرتی ہیں:

" وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ " (اور وہی ہے جس نے رات اور دن پیدا کئے اور چاند اور سورج بنائے، ہر ایک اپنے دائرے میں تیرتا پھرتا ہے پ ۲۱/۳۳)

اسی طرح خداوند تعالیٰ سورۂ یٰسین میں فرماتے ہیں:

" لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ " (سورج کو ضرورت نہیں کہ وہ چاند کو جا لے، اور نہ رات کو ضرورت ہے کہ دن سے آگے بڑھے، ہر کوئی اپنے اپنے گھیرے میں تیر رہا ہے پ ۳۶/۴۰)

اگر چاند اور سورج آسمان کے ساتھ چپکے ہوئے ہوتے تو ان کی تعریف میں "تیرنا" نہ کہا جاتا، اس لئے کہ "سبح" پانی وغیرہ میں رواں رہنے کو کہتے ہیں۔ ابن جریرؒ اپنی مشہور تفسیر میں لکھتے ہیں کہ لغتِ عرب کی رو سے فلک گول سی شئے کو کہتے ہیں۔ اور اس ضمن میں علمائے سلف کے متعدد اقوال منقول ہیں۔ ازاں بعد جریرؒ نے جو کہا وہ یہ ہے: "صحیح تر قول اس امر میں وہی ہے کہ حسب ارشاد خداوندی کہا جائے " وكلٌّ في فلك يسبحون " جو ہے سو دائرے میں رواں ہے (تیر رہا ہے) یہ کہنا بھی جائز ہے کہ فلک چکّی کے مانند ہو جیسا کہ مجاہد خیال کرتے ہیں۔ الحسن بھی ایسی ہی رائے رکھتے ہیں وہ اسے چکی کی کلّی کی طرح کا قرار دیتے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ گرداب ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ قطب سماوی ہو۔ وہ اس لئے کہ کلام عرب میں ہر دائرہ شئے کو فلک کہتے ہیں جس کی

جمع افلاک ہے۔ پھر جریرؒ نے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے الفاظ نقل کئے ہیں اور وہ یہ ہیں: "فلک" زمین و آسمان کے مابین ستاروں اور سورج اور چاند کی گردگاہوں کا نام ہے۔ ازاں بعد قرآن کی یہ آیت پڑھی "تَبَارَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَاءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرَاجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا" اور وضاحت کی کہ بروج زمین و آسمان کے مابین ہیں نہ کہ زمین میں ——— یہاں طبری کا بیان ختم ہوا۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ابن زید کے اس قول کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے، لیکن ان کے انکار کی کوئی وجہ، ذرا بھی سوچیں تو معلوم نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ وہ انکار کے ضمن میں کوئی دلیل نہیں دیتے۔ نسفیؒ نے اپنی تفسیر میں جو رائے ظاہر کی ہے وہ یہ ہے: "جمہور کی رائے یہ ہے کہ آسمان کے نیچے ایک گرداب کا نام فلک ہے جس میں چاند تارے اور سورج رواں دواں ہیں"۔ نسفی کا بیان ختم ہوا۔

آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں یہ رائے ظاہر کی ہے "اکثر مفسرین کا بیان یہ ہے کہ وہ (فلک) آسمان کے نیچے گردش میں رہنے والی موج کا نام ہے۔ جس میں سورج اور چاند رواں رہتے ہیں"۔ آلوسی کا بیان ختم ہوا۔ فلک کی اس تفسیر کی روشنی میں اور اُن آیات کی رو سے جو پیش کی جا چکی ہیں چاند یا کسی دوسرے سیارے کی سطح پر پہنچنا معقول دلائل سے متصادم نہیں۔ اور اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن کے بیان کردہ "سما" کی تردید ہو جاتی ہے جس میں سورج اور چاند موجود ہیں۔ اور جو یہ گمان کرے کہ افلاک سے ٹھوس سمٰوات مقصود ہیں تو اس کا قول ہمارے علم کی حد تک بے دلیل ہے، لائق اعتماد نہیں۔ اس کے برعکس منقولہ اور دوسری دلائل صریحہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سات آسمان اور شے ہیں اور افلاک اور شے۔ احتمال یہ ہے کہ حق سبحانہٗ کے نزدیک "سما" کا معنی حسب آیات مذکورۃ الصدر دنیا کا آسمان ہے۔ جیسا کہ آیت مشمولۂ الحجر اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ "ولقد جعلنا فی السما بروجًا وَّزَیَّنّٰها للناظرین"۔

اس سے حق تعالیٰ کی مراد یہ نہیں کہ بروج آسمان کے اندر داخل ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ وہ آسمان کے قریب ہیں اور آسمان سے منسوب ہیں۔ جیسا کہ لغت عرب میں یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص مدینہ میں یا مکہ میں مقیم ہے۔ خواہ وہ اس کے گرد و نواح میں قیام پذیر ہو، رہا یہ کہ اللہ نے کواکب کو آسمان کی زینت قرار دیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کواکب آسمان کے ساتھ چپکے ہوئے ہیں۔ یہ امر محتاج دلیل ہے۔ اس کے برعکس یہ بالکل بجا ہے کہ انہیں آسمان کی زینت کہا جائے، اگرچہ وہ آسمان سے الگ ہوں اور ان کے اور آسمان کے مابین فضا (خلا) موجود ہو۔ جیسا کہ آدمی مکان کی چھتوں کو ساز و سامان سے اور بجلی کے

لٹوؤں اور ٹیوبوں وغیرہ سے آراستہ کرے ضروری نہیں کہ وہ سب کچھ چھت کے ساتھ چپکا ہوا ہو۔ اس کے باوصف عربی زبان میں یہی کہا جائے گا کہ فلاں نے گھر کی چھت سجائی ہے، خواہ سجاوٹ اور چھت کے مابین خلا موجود ہو۔ رہا سورہ نوح میں بیان کردہ قولِ ربانی کہ " الم تروا کیف خلق اللہ سبع سمٰوٰتٍ طباقاً وّ جعل القمر فیھنّ نوراً وّ جَعَلَ الشّمس سراجاً "۔۔۔ اس کا معنیٰ کسی دلیل کی رو سے بھی یہ طے نہیں پاتا کہ شمس و قمر آسمان میں داخل ہیں۔ اکثر کے یہاں اس کا معنی یہ ہے کہ ان دونوں کا نور آسمانوں میں ہے نہ کہ ان کی ٹکیا ۔۔۔ اس لئے کہ خود ان کی ٹکیا تو سمٰوات سے الگ ہے نور سمٰوات میں ہے ۔۔۔ ابن جریرؒ اس آیت کی ذیل میں حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص کے حوالے سے جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ بھی اسی مفہوم کی طرف رہبری کرتا ہے۔

چنانچہ ابن جریر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: " ہمیں عبد الاعلیٰ نے بتایا اور ان کا بیان ہے کہ انہیں ابن ثور نے معمر سے سن کر بتایا۔ اور معمر نے قتادہ سے سنا، قتادہ نے عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص سے کہ انہوں نے فرمایا شمس و قمر کے چہرے آسمانوں کی جانب ہیں اور پیٹھیں زمین کی طرف۔

قتادہ کی سند میں انقطاع ہے اس لئے کہ قتادہ نے عبداللہ بن عمرو کا دور نہیں پایا۔ اور اگر ان بھی لیں کہ یہ بیان عبداللہ بن عمرو ہی کا ہے تو پھر ممکن ہے انہوں نے یہ مضمون بنو اسرائیل سے لیا ہو۔ اس لئے کہ آیت بالوضاحت دلالت کر رہی ہے اس امر پر کہ آسمانوں میں ان دونوں کا نور ہے نہ کہ ٹکیائیں رہا ان کے چہروں کا آسمان کی جانب ہونا اور پیٹھوں کا زمین کی طرف ہونا تو اس میں کلام کی گنجائش ہے۔ خدائے تعالیٰ سبحانہٗ ہی بہتر جانتے ہیں۔ رہا کسی صاحب تفسیر کا یہ کہنا کہ یہ "کُل کے بعض پر اطلاق" کے اصول کی ذیل میں آتا ہے اس لیے کہ قمر تو آسمانِ دنیا میں ہے اور سورج چوتھے آسمان میں ہے ایسے ہی جیسے کہا جائے " میں نے بنو تمیم کو دیکھا ہے"۔ حالانکہ میں نے ان میں سے چند ایک کو دیکھا ہے۔ یہ مثال نہ ٹھیک بیٹھتی ہے نہ اس مسئلے کی طرف رہبری کرتی ہے، اور نہ ہمیں اپنے علم کی حد تک کوئی ایسی حجت میسر ہے جو دلالت کرے اس امر پر کہ چاند دنیا کے آسمان میں ہے اور سورج چوتھے آسمان میں۔ اگر یہ قول کسی ماہر فلکیات کا بھی ہو تو جب بھی وہ قابلِ اعتماد سند نہیں، اس لئے کہ ان کے اقوال بڑی حد تک مبنی بر تخمین و گمان ہیں۔ اور یہ تخمین و گمان نہ شرعی قواعد پر استوار ہے، اور نہ قطعی بنیادوں پر؛ لہٰذا احزم و انتباہ لازم ہے ۔۔۔ اس مسئلہ پر حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں ان الفاظ کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کہ " اَلَمْ تَرَوا کیف خلق اللہ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طباقاً "۔ ۔۔۔ کا مفہوم ہے ایک دوسرے کے اوپر، کیا اسے محض سن سنا کر قبول کر لیا جاتا ہے یا یہ معاملہ

مدرکات حسیّہ میں سے ہے وہ ادراک جو سیّاروں کی سیر اور اُن کے گرہنوں وغیرہ کے علم سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ کواکب جو سبع سیارہ ہیں ایک دوسرے کو گرہن لگاتے ہیں، سب سے نزدیک آسمانِ دنیا کا چاند ہے جو اپنے اوپر والے کو گرہن لگاتا ہے۔ عطارد دوسرے آسمان میں ہے۔ زہرہ تیسرے میں، سورج چوتھے میں۔ مریخ پانچویں میں، مشتری چھٹے میں اور زحل ساتویں میں ــ باقی سب ستارے ثوابت ہیں (سیّار نہیں) اور یہ آٹھویں آسمان میں ہیں (اسے فلک الثوابت کہتے ہیں) (ان ستارہ شناسوں میں) جو اہلِ شرع ہیں اُسے کرسی قرار دیتے ہیں۔ نواں آسمان اطلس ہے جو ان کے نزدیک اثیر (ایتھر) ہے۔ وہ جس کی گردش باقی سارے افلاک کی حرکت کے برعکس ہے۔ اس لئے کہ اس کی حرکت جملہ حرکات کا مبدأ ہے۔ یہ حرکت مغرب سے مشرق کو ہے۔ حالانکہ باقی سارے افلاک مشرق سے مغرب کو حرکت کرتے ہیں۔ اور اُنہی کے اتباع میں سارے کواکب گردش کرتے ہیں۔ لیکن سیّاروں کی گردش ان کے افلاک کی گردش کے الٹ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ افلاک مغرب سے مشرق کو جاتے ہیں۔ ہر سیارہ اپنے حساب کے مطابق اپنا فلک (دائرہ) عبور کرتا ہے۔ مثلاً چاند اپنے فلک کو ایک ماہ میں ایک بار طے کرتا ہے، اور سورج ایک سال میں اور زحل تیس سالوں میں ــــ یعنی ہر ایک اپنے فلک کی وسعت کے مطابق وقت لیتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر ایک کی تیزیٔ رفتار اپنے اپنے فلک کے ساتھ متناسب ہوتی ہے۔ یہ ہے ملخص ان سارے بیانات کا جو جملہ اختلافات سمیت اس مسئلے کے ضمن میں مختلف مقامات پہ مندرج ہوئے۔ ہم اپنی طرف سے کچھ نہ کہیں گے۔" ابن کثیر کا بیان ختم ہوا۔

حافظ ابن کثیرؒ کا یہ قول کہ اس امر میں "جملہ اختلافات سمیت ".... الخ، دلالت کرتا ہے اس بات پہ کہ علمائے فلک کے حوالے سے جو کچھ بیان کیا جا رہا ہے اس میں عدم اتفاق موجود ہے۔ مثلاً قمر کا آسمانِ دنیا میں ہونا۔ عطارد کا آسمانِ ثانی میں ہونا، زہرہ کا آسمانِ ثالث میں ہونا، اور شمس کا آسمانِ رابع میں ہونا وغیرہ ــــــ اگر ان کے پاس قطعی دلائل ہوتے تو وہ باہم مختلف نہ ہوتے۔ اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ وہ امر مذکور میں متفق ہیں تو جب بھی ان کا اتفاق حجت نہیں، اس لیے کہ وہ معصوم نہیں۔ اجماعِ معصوم ان علمائے اسلام کا اجماع ہے جو شروطِ اجتہاد سے بخوبی بہرہ مند ہوں اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "لا تزال طائفة من امتي على الحق منصورة" چنانچہ جب علماء کسی حکم کے ضمن میں اجماع قطعی کو پہنچ جائیں ــــ اجماع سکوتی نہیں ــــ تو پھر بلا شک و شبہ وہ حق پہ ہیں اس لئے کہ نصرت یاب طائفہ انہی میں سے ہے ــــ اور حضور اکرمؐ نے آگاہ فرمایا ہے کہ وہ طائفہ تا دمِ حشر حق پہ رہے گا ــــــ مذکورہ بالا دلائل سے اور بہت سے اہلِ علم کے بقول

اور بعض نسفی اکثر اہل علم اور نیز آلوسی کی رائے کی روشنی میں یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ جملہ کواکب جن میں سورج اور چاند بھی شامل ہیں "تحت سمٰوات" ہیں۔ داخل سمٰوات نہیں۔ اس اعتبار سے جانا جا سکتا ہے کہ کواکب اور آسمان (سماء الدنیا) کے مابین خلا (فضا) کا وجود ممکن ہے۔ اور یہ بھی کہ اس میں خلائی مرکبات تیرتے پھرتے ہوں۔ پھر ان مرکبات کا چاند اور دیگر کواکب کی سطح پہ اترتے رہنا بھی ممکن ہے۔ اس کے عدم امکان کا قائل ہونا جائز نہیں۔ ماسوا اس کے کہ کوئی صریح اور واضح شرعی دلیل موجود ہو جس کا سہارا لیا جائے، اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ پھر کسی کے خالی یہ کہہ دینے ہی پہ اس کی تصدیق کر دی جائے کہ وہ سطح قمر پہ یا کسی اور سیارے کی سطح پہ پہنچ گیا تاوقتیکہ وہ ایسے سائنسی دلائل پیش نہ کرے جو اس کے دعوے کی تصدیق کریں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عام لوگ فضائی (خلائی) معلومات کے ضمن میں (بلکہ خود خلا باز بھی) متفاوت ہیں۔ ان میں بعض ایسے ہیں جنہوں نے رصدگاہوں وغیرہ کی مدد سے معلومات حاصل کیں اور انہی پر قناعت کر لی۔ ایسوں کے علم نے انہیں امریکی خلابازوں کے اس دعوے کی تصدیق کے راستے پر ڈال دیا کہ وہ سطح قمر پہ پہنچ گئے۔ اگر وہ تصدیق کریں تو معذور ہیں ——— لیکن جس کو اس باب میں وافر معلومات میسرنہ ہوں؛ اسے توقف کرنا چاہیئے۔ اور چھان پھٹک کرنی چاہیئے حتیٰ کہ اسے تصدیق و تکذیب کے لیے وہ کارگر دلائل میسر آجائیں جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

اس ذیل میں کہ کواکب کی جانب پرواز ممکن ہے یہ قول خداوندی سورۂ جن میں مسطور ہے:

إنا لمسنا السماء فوجدناها ملئت حرسا شديداً وشهبا وأنا كنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن يستمع الآن يجد له شهابا رصداً ۔"

پھر اگر جنوں کے لیے آسمان کی طرف صعود کرنا ممکن ہے یہاں تک کہ وہ آسمان کو چھو لیں تو پھر یہ امر آدمی کے لیے اور وہ بھی بیسویں صدی کے آدمی کیلئے جبکہ سائنس اور اختراع اس قدر ترقی کر چکی ہو کیونکر محال ہے ——— اس لاعلمی اور اختراعی ترقی نے آدمی کو وہاں پہنچا دیا ہے جہاں پہنچنا خود ان اختراع کنندگان کے بھی وہم میں نہ آ سکتا۔ رہا آسمانوں کا ٹھوس وجود والا ہونا اور اس ضمن میں یہ اعتقاد کہ اس کے دروازے محفوظ ہیں اور وہاں پاسبان مقرر ہیں لہذا وہاں انس اور جن میں سے کوئی شیطان ہرگز ہرگز داخل نہیں ہو سکتا تو اللہ تعالےٰ کا یہ قول پیش نظر رہنا چاہیئے: "وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ۔"

اور احادیث صحیحہ کی رو سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت جبریل کی معیت میں معراج پر گئے تو وہ آسمان دنیا میں حکم و اذن الٰہی کے بعد گئے تھے۔

دا، حق تعالےٰ کا یہ قول جو سورۂ رحمٰن میں شامل ہے :

"یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ"۔

(اے جن و انس کی جمعیت اگر بس چلتا ہے کہ حدودِ سمٰوات و ارض کو عبور کر جاؤ تو پھر کر جاؤ عبور، تم اسے بے سند (یا بے قوت) عبور نہ کرسکوگے ۵۵/۲۴)

تو یہ آیت کواکب پر پہنچنے کے امکان پر واضح دلالت نہیں کرتی اس لیے کہ اس کے ظاہری معنی، اس کا ماقبل اور مابعد یہ احساس دلاتا ہے کہ حق تعالےٰ کا یہ بیان انس و جن کو حدود سمٰوات و ارض طے کر سکنے کے معاملے میں عاجز قرار دے رہا ہے۔ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں امام ابن جریرؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے کئی آرا ظاہر کی ہیں ان میں سے یہ دو نحو بتر ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے مراد یوم قیامت ہے۔ اور حق تعالےٰ نے اس آیت کی رُو سے خبردار کیا ہے کہ روز حشر کی ہولناکیوں سے فرار جن و انس کے اختیار و امکان سے باہر ہوگا۔ ابن جریر نے یہ قول پیش کرنے کے بعد اس کے مابعد کی آیت کی تفسیر میں جو کچھ بیان کیا اس سے عیاں ہے، کہ انہوں نے اس قول کو قبول کر لیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آیت مذکورہ انس و جن کا یہ عجز ظاہر کر رہی ہے کہ وہ موت سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ اس لئے کہ ان کے پاس کوئی ایسی سند یا قوت نہیں جس کی مدد سے وہ موت کی دسترس سے باہر جا سکتے۔ (یہی عالم عجز قیامت کے دن کی ہولناکیوں سے بچ نکلنے کے معاملے میں ہوگا) ان دونوں بیانوں میں "سلطان" سے مراد قوت ہے۔

ہمارے اس بیان کی رُو سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ سیاروں پر جا چڑھنے کے امکان کو تسلیم کرنے والوں کے لئے یہ آیت کوئی دلیل مہیا نہیں کرتی۔ نیز یہ اس امر پر بھی دلالت نہیں کرتی کہ سلطان سے مراد علم ہے۔ یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس ضمن میں قابل قبول ترین قول اُن کا یہ کہنا ہے کہ اس سے مراد یوم قیامت ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ انس و جن کو یہ بات قیامت کے روز ان پر ان کے عجز کو ظاہر کرنے کے لیے کہیں گے اور انہیں خبردار کریں گے کہ آج تم قبضۂ خداوندی میں ہو اور آج میں جو سلوک چاہوں تمہارے ساتھ کروں تم بھاگ نہیں سکتے۔ اسی لئے تو بعد کی آیت میں فرمایا "یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ" (سورۂ رحمٰن) جسکا معنی۔ (خدا ہی بہتر جانتا ہے۔) یہ ہے کہ "اگر آج تم فرار کی کوشش کروگے تو اللہ تم پر آگ کے شعلے اور دھوئیں پھیلائے گا اور تم نپٹ نہ سکوگے"۔ رہا دنیا کے اندر موجود ہونا تو اس صورت میں ٹھوس وجود والے آسمانوں کی حدود کو عبور کرنا کسی کے بس میں نہیں اسلئے کہ انکی حدود اور ابواب پر پاسبان معیّن ہیں لہٰذا وہ محفوظ ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔ بہرحال حقیقت کو تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔

وصلی اللہ وسلّم وبارک علیٰ عبدہٖ ورسولہٖ نبیّنا محمدٍ وآلہٖ واصحٰبہٖ

لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَ یُبْطِلَ الْبَاطِلَ

تاکہ حق کو حق ثابت کر دے اور باطل کو باطل (القرآن)

اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار

تالیف:

ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ

ہمارے تحقیق اسلامی کے اداروں کے سامنے کرنے کا اصل کام

قیمت قسم اعلیٰ: ڈیڑھ روپیہ - قسم ادنیٰ: ایک روپیہ (محصولڈاک اس کے علاوہ)

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ

کرنے کا اصل کام

تالیف: اسرار احمد

★ فکر مغرب کا ہمہ گیر استیلاء ★ بنیادی نقطۂ نظر ★ عالم اسلام پر مغرب کی سیاسی و فکری یورش ★ مدافعت کی اولین کوششیں اور ان کا ماحصل ★ علوم عمرانی کا ارتقاء ★ اسلامی نظام حیات کا تصور اور بیسویں صدی عیسوی کی اسلامی تحریکیں ★ تعبیر کی کوتاہی ★ احیائے اسلام کی شرط لازم: تجدید ایمان ★ کرنے کا اصل کام ★ عملی اقدامات مع "فکر مغرب کی اساس اور اس کا تاریخی پس منظر" از قلم: یوسف سلیم چشتی

سائز ۱۸×۲۲/۸، صفحات ۵۶، طباعت آفسٹ، قیمت: ایک روپیہ

شائع کردہ

دارالاشاعت الاسلامیہ کوثر روڈ، اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور ۱۔ فون ۶۹۵۲۲

قرآن حکیم کا پیغام بنی آدم کے نام

اور مسلمانوں کے لیے ایک لمحۂ فکریہ

ازقلم : پروفیسر یوسف سلیم چشتی

(ا) دنیا میں فلسفیانہ غور و فکر اور تشکیل مذاہب کا آغاز ساتویں صدی قبل مسیح سے ہوا اور ساتویں صدی عیسوی سے پہلے پہلے یعنی بارہ تیرہ سو سال میں دنیا کے تمام مشہور مذاہب اور تمام مدارس فلسفہ ظہور میں آ گئے جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

(الف) مشہور مذاہب عالم

۱ : شنٹوازم (جاپان)

۲ : تاؤازم اور کنفوشنزم (چین)

۳ : ہندوازم (ہندستان)

۴ : زرتشتیت (ایران)

۵ : یہودیت اور عیسائیت (شام)

۶ : متھرا ازم (عراق)

۷ : مانویت اور مزدکیت (ایران)

(ب) مدارس فلسفہ (یونان)

فلسفۂ فیثا غورث۔ فلسفۂ ہرقلیطوس فلسفۂ پارمینائڈیز

فلسفۂ دیمقراطیس فلسفۂ افلاطون فلسفۂ ارسطو

فلسفۂ رواقیت فلسفۂ ابیقوریت فلسفۂ تشکیک

فلسفۂ فلاطینوس۔

(ج) مدارس فلسفہ (ہندوستان)

چارواک مت	جین مت	بدھ مت
نیائے درشن	سانکھ درشن	ویشیشک درشن
یوگ درشن	ممانسہ درشن	ویدانت

خلاصہ کلام اینکہ

ساتویں صدی کے آغاز میں دنیا میں دس مذاہب موجود تھے اور فلسفے کے بیس مدارس موجود تھے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ ساتویں صدی عیسوی سے لے کر اب تک انسان فلسفہ کا کوئی نیا مدرسہ قائم نہیں کر سکا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں فکر انسانی پختہ ہو چکی تھی۔ یعنی انسان کی عقلی پرواز اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی[1]

یورپ میں عصر حاضر میں جس قدر فلسفی پیدا ہوتے ہیں انہوں نے کوئی نئی بات نہیں کہی ہے، ان کے افکار قدیم فلاسفہ کے افکار کی صدائے بازگشت ہیں یا قدیم افکار کی جدید تعبیرات ہیں۔ پرانی شراب کو صرف نئی بوتلوں میں نئے لیبل لگا کر پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً (و) ایجابیت (POSITIVISM) منطقی ایجابیت (LOGICAL POSITIVISM) مظہریت (PHENOMENONALISM) مذہب[2] ہست و بود (EXISTENTIALISM) مذہب فطرت (NATURALISM) مذہب انسانیت (HUMANISM) وغیرہ یہ سب وہی قدیم مسلک مادیت (MATERIALISM) کی مختلف شکلیں ہیں جسے یونان میں دیمقراطیس اور ہندوستان میں چارواک مت نے قبل مسیح پیش کر دیا تھا۔

(ب) NIHILISM یہ قدیم سوینے داد کی جدید تعبیر ہے۔

---

[1] پروفیسر صاحب نے تو یہ جملہ اپنی تحریر کی روانی میں لکھ گئے ہیں لیکن اس کی اہمیت متقاضی ہے کہ اس پر پوری توجہ صرف کی جائے اس لئے کہ اس کا براہ راست تعلق مسئلہ ختم نبوت سے ہے۔ اگر حقیقت یہی ہے جو پروفیسر صاحب نے اس جملے میں تحریر فرمائی اور چونکہ یہ ایک ایسے شخص کی شہادت ہے جس کی پوری عمر قدیم و جدید اور مشرقی و غربی فلسفوں کے مطالعے ہی میں گذری ہے لہٰذا اس پر عدم اعتماد کے لئے کوئی وجہ موجود نہیں (خصوصاً جبکہ اپنے اس دعوے پر مفصل دلیل بھی ذیل میں پروفیسر صاحب نے دے دی ہے) تو اللہ تعالیٰ کی اس مشیت کی حکمت کسی قدر سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس نے اپنی آخری نبوت و رسالت کے لئے ساتویں صدی عیسوی کو کیوں منتخب فرمایا (اسرار احمد)

[2] EXISTENTIALISM کا ترجمہ عموماً 'وجودیت' سے کیا جاتا ہے۔ لیکن پروفیسر صاحب نے ایک دوسری اصطلاح ایجاد کی ہے ——— واللہ اعلم

(ج) COMMUNISM یہ قدیم مزدکیت کی جدید تعبیر ہے۔
(د) میک ٹیگرٹ کا فلسفہ قدیم جین دھرم کی جدید تعبیر ہے۔
(ہ) مل کی لاادریت (AGNESTICISM) یہ قدیم فرونی تشکیک (SCEPTICISM) کی جدید تعبیر ہے۔
(و) تصوریت مطلقہ (ABSOLUTE IDEALISM) یہ قدیم ویدانت کی جدید تعبیر ہے۔
(ز) خارجیت (REALISM) یہ قدیم سانکھ درشن کی جدید تعبیر ہے۔

اسی طرح اگرچہ دنیا میں اسلام کے بعد بعض پنتھ یا مت (CULTS) ضرور پیدا ہوئے۔ مگر وہ قدیم مذاہب سے نکلے ہیں یا ان کے فرقے ہیں مثلاً کبیر پنتھ، نانک پنتھ۔ یہ ہندو دھرم سے نکلے ہیں۔ شیخی فرقہ (حروفی) بابی فرقہ یہ شیعہ مذہب سے نکلے ہیں۔ برہمو سماج، آریہ سماج، دیو سماج تھیا سوفی یہ سب قدیم ہندی مذاہب سے نکلے ہیں۔

غور طلب بات یہ ہے کہ ان تمام مذاہب اور تمام مدارس فلسفہ میں یہ امور مشترک ہیں جو ان کی خامی یا نقص پر دلالت کرتے ہیں۔

۱: کوئی مذہب یا فلسفہ انسان کو انسان کی غلامی سے نجات نہ دے سکا۔ یعنی انسان کو حریت کاملہ (حریت نفس، حریت ضمیر، حریت فکر) کی نعمت عطا نہ کر سکا۔

۲: کوئی مذہب یا فلسفہ انسان کو مکمل ضابطۂ حیات عطا نہ کر سکا۔

۳: کوئی مذہب یا فلسفہ حقائق سہ گانہ (خدا۔ انسان۔ کائنات) میں صحیح رشتہ یا علاقہ قائم نہ کر سکا۔

سقراط جیسا فلسفی بھی توہمات پرستی سے باہر نہ نکل سکا۔ چنانچہ اس نے مرتے وقت افلاطون کو وصیت کی کہ میں نے فلاں دیوی کی بارگاہ میں ایک مرغ نذر کرنے کی منت مانی تھی اس لئے تم ایک مرغا ضرور بھینٹ چڑھا دینا۔

الغرض مذاہب بھی موجود تھے اور فلسفے بھی موجود تھے مگر انسان انسان پرستی، توہمات پرستی، ملوک پرستی، رسوم پرستی اور نسل پرستی کی لعنتوں میں گرفتار تھا۔ فکر انسانی پختہ ہو چکی تھی مگر انسان بدستور اپنے جیسے انسانوں کا غلام تھا۔ ہر ملک میں ہر قوم میں خدا کے اوتار موجود تھے۔ وہ انسان تھے مگر انسان انہیں خدا سمجھ کر ان کی پوجا کر رہا تھا

بود انسان در جہاں انسان پرست
ناکس و نابود مند و زیر دست (اقبال)

ہندو۔ رام اور کرشن کو خدا مانتے تھے۔

ایرانی، بادشاہوں اور مظاہر کو خدا مانتے تھے۔
عیسائی، عیسیٰ کو خدا مانتے تھے۔
یہودی، عزیر کو خدا مانتے تھے۔
مصری، ہورس کو خدا مانتے تھے۔

غرض ساری دنیا شرک، بت پرستی، عناصر پرستی، کواکب پرستی، انسان پرستی بلکہ توہمات پرستی میں گرفتار تھی۔

یہ حالت تھی دنیا کی جب ساتویں صدی عیسوی کے آغاز یعنی ۶۱۰ء میں مکے میں ایک اُمّی صلعم نے صور اسرافیل پھونکا جس کی آواز سے مُردے زندہ ہو گئے۔ بت اوندھے ہو گئے۔ انسانوں کی خدائی کا خاتمہ ہو گیا۔ شرک اور انسان پرستی فنا ہو گئی۔ مختصر یہ کہ عالم کہن مر گیا۔ عالم نو پیدا ہو گیا[۱]۔ انسان کی ذہنی، عقلی، جذباتی، سیاسی، معاشرتی، تمدنی، ثقافتی، تہذیبی، عائلی، اخلاقی اور روحانی زندگی میں ایک انقلاب عظیم برپا ہو گیا۔ بادشاہت، جاگیرداری، سرمایہ داری، کہانت، دروایت، برہمن، پادری، پنڈت، ذات پات، نسل، رنگ، قوم، زبان کے امتیازات کا خاتمہ ہو گیا۔ سارے جعلی خدا کافور ہو گئے۔ صرف ایک حقیقی اللہ کی اطاعت انسان کا طغرائے امتیاز اور وجہ شرف بن گئی۔

یہ اُمّی نہ کسی فلسفی کا شاگرد تھا نہ اس نے کسی مدرسے میں عصری علوم پڑھے تھے۔ نہ اس کے پاس کوئی کتب خانہ تھا۔ اس کے باوجود اس نے ببانگ دہل دنیا کو اپنا انوکھا پیغام سنایا۔ جس کی نظیر نہ تھی نہ ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

۱: میں اللہ کا رسول ہوں اور خاتم النبیین بھی ہوں۔
۲: میں ہدایت اور دین الحق لے کر آیا ہوں۔
۳: میرا پیش کردہ دین انجام کار سب ادیان پر غالب آ جائے گا۔
۴: یہ دین کامل (PERFECT) ہے۔
۵: یہ دین متمم نعمت باری ہے۔
۶: یہ دین سراسر برہانی ہے۔ ہر عقیدے یا دعوے پر دلیل پیش کرتا ہے۔ ہر حکم یا ارشاد کی علت بتاتا ہے تاکہ انسان اطمینان قلب کے ساتھ عقیدے کو تسلیم کر سکے اور خوش دلی کے ساتھ حکم کی تعمیل کر سکے۔
۷: یہ دین ضمیر کی آزادی بھی عطا کرتا ہے اور ارادے کی آزادی بھی۔

---

[۱] زادنِ او مرگ دنیائے کہن　　مرگ آتش خانۂ و دیر و شمن　　(اقبال)

۸ : اس کی تعلیم میں کہیں کوئی خفاء، سِرّ، بھید، راز نہیں ہے۔
۹ : اس کی کوئی تعلیم خلافِ عقلِ سلیم یا غیر معقول نہیں ہے۔
۱۰ : یہ دین الحق خود بھی مبین (واضح) ہے اور اس کی کتاب بھی جس میں یہ دین محفوظ ہے، مبین ہے۔
۱۱ : اس کتاب کی زبان زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گی اس لئے اس کی تفسیر اور تشریح میں کبھی اضطراب یا ابہام پیدا نہ ہوسکے گا۔
۱۲ : یہ کتاب خود بھی برہان پیش کرتی ہے اور مخالف سے بھی برہان کا مطالبہ کرتی ہے۔
۱۳ : اس کتاب میں اختلاف نہیں ہے اس لئے اس کے متبعین میں بھی اختلاف پیدا نہیں ہوسکتا۔۔۔۔۔۔ اگر اختلاف رونما ہو جائے تو سمجھ لو کہ وہ اس کتاب سے دور ہو گئے ہیں بلکہ مہجور ہو گئے ہیں۔
۱۴ : یہ دین علم کو معیارِ اتباع قرار دیتا ہے (یقین) ظن اور تخمین سے اجتناب کا حکم دیتا ہے۔ کیونکہ ظن کی پیروی منتج بضلالت ہو جائے گی۔
۱۵ : یہ دین طریق النجات الاخروی ہی نہیں ہے دستور الحیات الدنیوی بھی ہے۔
۱۶ : اس دین کی رو سے خدا اور بندے کے درمیان کوئی حاجب، حجاب، برزخ یا واسطہ نہیں ہے ہر عبد براہ راست اپنے معبود کو پکار سکتا ہے۔ اگر پکار میں خلوص ہے تو جواب ضرور ملے گا۔ یعنی شرط یہ ہے کہ پکارنے والا درحقیقت اس کا بندہ ہو نفس کا بندہ نہ ہو۔
۱۷ : کوئی انسان کسی انسان پر حکومت نہیں کر سکتا کیونکہ سب برابر ہیں اور نہ استحصال یا جبر کر سکتا ہے کیونکہ سب بھائی بھائی ہیں۔
۱۸ : جس طرح حکم (حکومت) اللہ کا ہے زمین بھی اللہ کی ہے اس لئے ہر شخص زمین سے انتفاع کر سکتا ہے مالک نہیں بن سکتا۔
۱۹ : اقتدار اعلیٰ صرف اللہ سے مختص ہے۔
۲۰ : دولت اس طرح گردش کرے گی کہ سب مستفید ہوں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ صرف اغنیاء کے حلقے میں محدود ہو جائے۔
۲۱ : شریعت کا مقصود یہ ہے کہ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا محتاج نہ ہو جس سوسائٹی میں انسان دوسرے کا محتاج ہے سمجھ لو وہاں قرآنی نظام نافذ نہیں ہے بلکہ شیطانی نظام نافذ ہے۔
۲۲ : اس دین نے خدا پرستی کے سوا ہر پرستش کا خاتمہ کر دیا۔
۲۳ : اس دین نے ملوکیت، بادشاہت، نوابی، جاگیرداری، سرمایہ داری، اجارہ داری یعنی ظلم و ستم

کی سب صورتوں کا خاتمہ کر دیا۔

۲۴ : اس دین کی رو سے معیارِ فضیلت نہ خاندان ہے نہ نسل نہ قوم نہ قبیلہ نہ ذات نہ گوت بلکہ تقویٰ اور صرف تقویٰ۔

۲۵ : جنگ جائز ہے مگر صرف اعلاءِ کلمۃ الحق کے لئے تاکہ دین ——— یہی دین الحق ——— بتمام کلی طور پر صرف اللہ کے لئے ہو جائے۔ کوئی کسی کو اس دین کی اتباع سے نہ روک سکے اور کوئی کسی کو شرک کا حکم نہ دے سکے کیونکہ شرک اس کائنات کے خالق، رازق، مالک اور حاکم کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔

۲۶ : ہر وہ جنگ جس کا مقصد جوع الارض ہو یا توسیع مملکت ذاتی یا اضافہ اقتدار شخصی ——— حرام ہے۔

۲۷ : غلامی کی ہر شکل ناجائز ہے اسی لئے اس دین نے ذہنی غلامی، عقلی غلامی، نفسی غلامی، علمی غلامی، سیاسی غلامی، سماجی غلامی (رسم پرستی) ہر غلامی کو ناجائز قرار دے دیا۔

۲۸ : ان تمام اداروں (INSTITUTIONS) اور طریقوں اور عقیدوں اور رسوم کو باطل قرار دے دیا جن سے غلامی پیدا ہو سکتی ہے۔

۲۹ : اس دین نے دولت کمانے کے سب ناجائز طریقوں کو حرام قرار دے دیا۔ یہ واحد دین ہے جس کی رو سے سود حرام ہے۔ بلکہ اللہ اور رسول کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ سٹہ حرام۔ لاٹری حرام، جُوا حرام، گھڑ دوڑ حرام . . .

۳۰ : اس دین کی رو سے مقصد حیات استرضاءِ باری تعالیٰ ہے۔ نہ کہ حکمرانی یا کشور کشائی یا ملک گیری جیسا کہ بعض جہلا سمجھتے ہیں۔ حضور نے صحابہ رضہ سے یہ نہیں کہا تھا کہ میرے پاس آؤ، میری اتباع کرو، میں تمہیں حکومت دلا دوں گا۔ بلکہ میری اتباع کرو، تم سے اللہ راضی ہو جائے گا (فاتبعونی یحببکم اللہ) اور جب اللہ تم سے راضی ہو جائے گا تو حکومت ارضی خود بخود تمہارے قدم چومے گی۔

۳۱ : اس دین میں کبھی ترمیم یا تنسیخ نہ ہو سکے گی اور اس کے دستور (قرآن) میں کبھی تحریف یا تبدیلی نہ ہو سکے گی اور نہ یہ دستور کبھی فرسودہ یا ناکارہ ہو سکے گا۔ وجہ یہ ہے کہ یہ دین انسانی فطرت کے تقاضوں سے ہم آہنگ بھی ہے اور ان کی تسکین کا سامان بھی مہیا کرتا ہے۔ نہ کبھی فطرتِ انسانی بدلے گی نہ کبھی یہ دین ناکارہ یا ناقص ہو گا۔ اور فطرت انسانی اس لئے نہیں بدل سکے گی کہ سنت اللہ میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکے گی اسی لئے دین الحق، دین القیم بھی ہے ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔

۳۲ : اس دین کی ابتدا بھی لا الٰہ الا اللہ ہے اور انتہا بھی لا الٰہ الا اللہ ہے۔ یہ دین کلمۃ التوحید بھی ہے۔ اور توحید الکلمہ بھی ہے۔ قبل قرآن توحید فی الذات تو تھی مگر قرآن نے توحید کو ہر اعتبار سے مکمل کر دیا۔ توحید فی الذات، توحید فی الصفات، توحید فی الحکم، توحید فی العبادت، توحید فی الآثار، توحید فی الاستغاثۃ، توحید فی الربوبیت، توحید فی القدرت، توحید فی التصرف، توحید فی التعظیم، توحید فی الامر، توحید فی کشف الضرّ و دفع البلاء وغیرہ وغیرہ۔ سارا قرآن توحید کی شرح سے معمور ہے۔ حد ہے کہ بقول حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی " لا فاعل فی الحقیقۃ الا اللہ " (فتوح الغیب مقالہ سوم) اے بیٹے! درحقیقت اللہ کے سوا کوئی فاعل نہیں ہے۔

۳۳ : اس دین کی رو سے ساری کائنات انسان کی خادم ہے اور انسان خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے کائنات پر حاکم ہے لیکن اللہ کا محکوم ہے۔ کائنات اس کے لئے ہے اور وہ اللہ کے لئے ہے۔

یہ ہے صحیح اور معقول علاقہ حقائق سہ گانہ یعنی خدا، انسان اور کائنات میں (ا) کائنات انسان کے فائدے کے لئے پیدا کی گئی ہے (ب) انسان اللہ کے قانون کو نافذ کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اگر وہ اپنا قانون نافذ کرے گا تو اللہ کا باغی قرار پائے گا۔

۳۴ : کائنات بھی پاک ہے، مادّہ بھی پاک ہے، انسان بھی پاک ہے، زمین بھی پاک ہے۔ ہر جگہ سجدہ کر سکتے ہو!

۳۵ : کوئی کسی دوسرے کا ذمہ دار نہیں ہے نہ دوسرے کا بوجھ اٹھا سکتا ہے۔

۳۶ : چونکہ انسان نائب خدا ہے اس لئے باعتبار تخلیق احسن التقویم ہے۔ ورنہ نیابت کیسے کر سکے گا!

۳۷ : یہ دین، دین وحدت ہے۔ اللہ ایک، معبود ایک، رسول ایک، کتاب ایک، مرکز (کعبہ) ایک، خیال ایک، لگن ایک، مقصد ایک۔ یعنی اس دین کو پھیلانا، دنیا کو اس کی طرف بلانا۔

۳۸ : انسان ارض اور دولت کا امین ہے، مالک نہیں ہے۔

۳۹ : قرآن اپنی تفسیر کے لئے کسی انسان کا محتاج نہیں ہے۔

۴۰ : خدا رسی کے لئے نفس کشی درکار نہیں ہے۔

۴۱ : خدا کسی انسان کی شکل میں ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اوتاروں کا عقیدہ، حلول کا عقیدہ، تجسیم کا عقیدہ، اتحاد کا عقیدہ سب باطل کیونکہ سب خلافِ عقل سلیم ہیں۔ سبحان اللہ!

اس نبی امّی نے ساری دنیا کے حکما، علما، فلاسفہ اور لیڈروں کی تردید کر دی اور سب سے جدا سب سے انوکھی تعلیم پیش کی۔ کبھی کہیں کسی باطل سے سمجھوتہ نہیں کیا۔ ان تمام عقائد باطلہ کی تردید کر دی جو ساری دنیا

ہیں مسلّم تھے۔ کیا اس کے لئے فوق العادۃ، حوصلہ، ہمت، عزم اور یقین درکار نہیں؟ تو اس اُمّی میں یہ صفات کہاں سے اور کیسے پیدا ہوگئیں۔ ایسے آدمی نے ساری دنیا سے لڑائی مول لے لی۔ اس کے اندر یہ عزم، یہ دل گُردہ، یہ حوصلہ کیسے پیدا ہوگیا؟

بت پرستی باطل، اجداد پرستی باطل، ستارہ پرستی باطل، ابن اللہ پرستی باطل، نسل پرستی باطل، رنگ پرستی باطل، ملوکیت باطل، رہبانیت باطل، سود خوری باطل، قماربازی باطل، شراب نوشی باطل، مصوری باطل، موسیقی باطل، رقص و سرود باطل، تبرّج زناں باطل، مخلوط سوسائٹی باطل، پیر پرستی باطل، قبر پرستی باطل، رسم پرستی باطل، آثار پرستی باطل، شمس و قمر پرستی باطل، صرف خدا پرستی حق، صرف حق پرستی جائز۔

مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکر

دعوت کے ثمرات پر غور کرو:۔

۱ : کیا اس نبیؐ اُمّیؐ نے صرف ۲۳ سال کی قلیل مدت میں صدیوں کے راسخ فی الاذہان عقائد کو حرفِ غلط کی طرح نہیں مٹا ڈالا؟

۲ : کیا اس نبیؐ اُمّیؐ نے صرف ۲۳ سال کی قلیل مدت میں ایک نئی قوم پیدا نہیں کر دی؟ نیا عالم پیدا نہیں کر دیا؟

۳ : کیا اس نبیؐ اُمّیؐ نے صحرا نشینوں کو تہذیب کا علمبردار نہیں بنا دیا؟

۴ : کیا اس نبیؐ اُمّیؐ نے مٹھی بھر آدمیوں کو قیصر اور کسریٰ کی سلطنتوں کا مالک نہیں بنا دیا؟

۵ : کیا اُس نے نوعِ انسان کو ہر قسم کی غلامی سے نجات نہیں دلا دی؟

۶ : کیا اُس نے رفتارِ زمانہ کا رُخ نہیں موڑ دیا؟

۷ : کیا اُس نے نئی تہذیب پیدا نہیں کر دی؟

۸ : کیا اُس نے بنی آدم کو ایک مکمل ضابطۂ حیات عطا نہیں کیا؟

۹ : اس کے سوا کس ہادی یا مصلح یا بانیٔ مذہب نے اپنا دستور خود مرتب کر کے دنیا کو دیا؟ اور پھر اس کے دستور کے علاوہ

۱۰ : کون سا دستور محفوظ ہے؟ کون سی کتاب محفوظ ہے؟ کیا یہ ایک فوق العادۃ مظہر (PHENOMENON) نہیں ہے؟

۱۱ : کیا اس نبیؐ اُمّیؐ کے علاوہ دنیا میں کوئی اور ہادی بھی ایسا گذرا ہے جس نے اپنی قوم کو اس کی

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

تاریخ تصوف اسلامی

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

محمد ابن عبد الجبار ابن الحسن النفری ۳۵۴ھ

صاحب کتاب المواقف والمخاطبات

سوانح حیات اسلامی تصوف کی تاریخ میں نفری کی شخصیت بہت غیر معروف ہے ان کا شمار چوتھی صدی ہجری کے صوفیہ میں ہے۔ بقول حاجی خلیفہ ان کی وفات ۳۵۴ھ میں ہوئی۔ ان کی زندگی کے حالات بہت کم معلوم ہیں اور تمام تر ان کے شارح عفیف الدین التلمسانی کے فراہم کردہ ہیں۔ ان حالات کی تفصیل یہ ہے :-

(۱) جس شخص نے کتاب المواقف مرتب کی وہ نفری کا فرزند تھا۔ شیخ نے اپنے قلم سے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ وہ اپنے الہامات اور مکاشفات کو کاغذ کے مختلف پرزوں پر لکھ لیا کرتے تھے۔ انہی کو جمع کر کے ان کے بیٹے نے یہ کتاب مرتب کی۔ شیخ موصوف ہمیشہ صحرانوردی میں مصروف رہتے تھے کسی جگہ قیام نہیں کرتے تھے لوگوں سے ملنا جلنا انہیں بالکل پسند نہیں تھا۔ اگر کوئی شخص ان سے ملتا تھا تو وہ اسے اپنے حالات سے آگاہ نہیں کرتے تھے۔ بعض لوگوں کی روایت ہے کہ انہوں نے مصر میں وفات پائی مگر یہ بات محتاج ثبوت ہے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کتاب المواقف ان کے نواسے نے مرتب کی تھی۔ اس کتاب کے مطالعہ سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ شیخ موصوف ایک مختصر اور سخت گوشہ نشین متفکر تھے اور انہیں اپنے واردات قلبی اور مشاہدات باطنی کی صداقت پر کامل یقین تھا۔

تمام تذکرہ نگار اس بات پر تو کامل متفق ہیں کہ ان کا صحیح نام محمد ابن عبد الجبار ابن الحسن تھا لیکن نسبت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے نفری لکھا ہے، بعض نے نفرئی اور بعض نے نفزی۔ حضرت محی الدین ابن عربی رح نے فتوحات مکیہ میں ان کا نام چار مقامات پر درج کیا ہے لیکن ہر جگہ نفری لکھا ہے چنانچہ شعرانی، حاجی خلیفہ، قاشانی، ذہبی اور زبیدی نے انہی کا اتباع کیا ہے۔

نفری کی نسبت کا اشارہ موضع نفر کی طرف ہے جو عراق میں واقع ہے۔ اس موضع کا اصلی نام نیپور تھا عربوں نے اسے نفر بنا دیا۔ بہر حال شیخ موصوف نے اسی موضع کے گرد و نواح کے صحراؤں میں اپنی زندگی بسر کی اور یہیں خلوت کوہ و دشت میں خدا تے واحد کو دریافت کیا اور اسی کامیابی کے بعد جو واردات ان کے قلب مطمئنہ پر گذریں انہیں فرصت کے لمحات میں آئندہ نسلوں خصوصاً سالکان طریق کے لئے قلمبند کر دیا۔

کتاب المواقف کے علاوہ المخاطبات بھی ان سے منسوب ہے اور یہ کتاب بھی الہی کے الہامات کا مجموعہ ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اول الذکر کتاب کا ہر فقرہ "قال لی" سے شروع ہوتا ہے اور آخر الذکر کا "یا عبد" سے

شیخ اکبر ابن عربی رح نے المواقف کا تذکرہ فتوحات مکیہ میں پانچ جگہ کیا ہے:

شواہد

(۱) (الف) النفری نے "آن" کی وضاحت اپنی کتاب میں بہت عمدہ طریقے سے کی ہے۔ یہ ایک بلند پایہ کتاب ہے جس میں مصنف نے علم المقامات کی وضاحت کی ہے۔

(ب) اصطلاح مرض کی تشریح بعض لوگوں نے "میل" سے کی ہے۔ نفری کی رائے بھی یہی ہے جو المواقف کے مصنف ہیں اور بلا شبہ مرد خدا رسیدہ تھے۔

(ج) واقفیہ، اہل موافقت کا نام یا لقب ہے۔ مثلاً محمد ابن عبد الجبار النفری اور شیخ ابو یزید بسطامی رح۔

(د) جان لو کہ ہر منزل، منازلہ، مقام اور حال کے درمیان ایک حالت (برزخ) ہے جس میں سالک وقفت (قیام) کرتا ہے اور اسی بات کی طرف النفری نے اپنی کتاب المواقف میں اشارہ کیا ہے۔

(ہ) صوفیہ کے اس قول کے ضمن میں کہ "میں نے خدا سے کہا اور خدا نے مجھ سے کہا" شیخ اکبر رح نے صاحب المواقف کو بطور سند پیش کیا ہے۔

(۲) امام عبد الوہاب الشعرانی نے الطبقات الکبریٰ میں لکھا ہے کہ شیخ نفری کا شمار چوتھی صدی ہجری کے صوفیہ میں ہے۔ انہوں نے طریق صوفیہ پر بہت اعلیٰ درجے کا تبصرہ کیا ہے۔ وہ مواقف کے مصنف ہیں اور تمام علوم و فنون میں اپنے زمانے کے امام تھے۔

(۳) حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں لکھا ہے کہ شیخ نفری نے ۳۵۴ھ میں وفات پائی۔ عفیف الدین سلیمان ابن علی التلمسانی نے ان کی تصنیف کتاب المواقف کی شرح لکھی ہے۔

(۴) قاشانی نے "لطائف الاعلام فی اشارات اہل الالہام" میں لکھا ہے کہ "مواقف موقف کی جمع ہے جو وقفہ کی جگہ ہے۔ ان مواقف کا مفصل بیان کتاب المواقف میں درج ہے۔

فہرست مواقف امام نفری نے اپنی کتاب میں حسب ذیل مواقف کا بیان کیا ہے :-

(۱) موقف العزّ

(۲) موقف القرب

(۳) موقف الکبریاء

(۴) موقف انت معنی الکون (تو ہی کائنات کا معنی ہے)

(۵) موقف قد جآء وقتی (میرا وقت آ گیا)

(۶) موقف البحر

(۷) موقف الرحمانیۃ

(۸) موقف الوقفۃ

(۹) موقف الادب

(۱۰) موقف العزاء (تسلی)

(۱۱) موقف معرفت المعارف

(۱۲) موقف الاعمال

(۱۳) موقف التذکرہ

(۱۴) موقف الامر

(۱۵) موقف المطلع

(۱۶) موقف الموت

(۱۷) موقف العزت

(۱۸) موقف التقریب

(۱۹) موقف الرفق

(۲۰) موقف بیتہ المعمور (اس کا بیت معمور)

(۲۱) موقف ما یبدو (جو ظاہر ہوتا ہے)

(۲۲) موقف لا تطرف (اپنی آنکھیں بند مت کر)

(۲۳) موقف واحلّ المنطقہ (اور میں اپنا پٹکا ڈھیلا کر دوں گا)

(۲۴) موقف لا تفارق اسمی (میرا نام ترک مت کر)

(۲۵) موقف انا منتہیٰ اعزائی (میں اپنے دوستوں کا مقصد ہوں)

(۲۶) موقف کِدْتُ لَا آخُذُہٗ (میں نے قریب قریب اس کو سزا نہیں دی)
(۲۷) موقف لِی اَعِزَّاءُ (میرے کئی دوست ہیں)
(۲۸) موقف مَا تَصْنَعُ بِالْمَسْئَلَۃِ (تو سوال کرکے کیا کر رہا ہے)
(۲۹) موقف حجاب الرؤیۃ
(۳۰) موقف اُدْعُنِی وَلَا تَسْئَلْنِی (مجھے پکار مگر سوال مت کر)
(۳۱) موقف استوی الکشف والحجاب (کشف و حجاب میں مساوات)
(۳۲) موقف البصیرت (باطنی روشنی)
(۳۳) موقف الصفح الجمیل (سچی معافی)
(۳۴) موقف مَا لَا یَنْقَال (جس کا مذکور نہ ہوسکے)
(۳۵) موقف اِسْمَعْ عَہْدَ وِلَایَتِکَ (اپنی ولایت کے عہد کو سن)
(۳۶) موقف وراء المواقف
(۳۷) موقف الدلالت
(۳۸) موقف حقۃ (اس کی حقیقت کا موقف)
(۳۹) موقف بحر
(۴۰) موقف ہو ذا تنصرف (تو دوسروں کو چلاتا ہے)
(۴۱) موقف الفقہ و قلب العین
(۴۲) موقف نور
(۴۳) موقف بین یدیہ (اس کے سامنے)
(۴۴) موقف من انت و من انا (تو کون ہے اور میں کون ہوں)
(۴۵) موقف العظمت
(۴۶) موقف المنیۃ (بھٹک جانا)
(۴۷) موقف الحجاب
(۴۸) موقف الثواب
(۴۹) موقف الوحدانیت
(۵۰) موقف الاختیار

(۵۱) موقف العہد
(۵۲) موقف عندہ (اس کے ساتھ)
(۵۳) موقف المراتب
(۵۴) موقف السکینۃ
(۵۵) موقف بین یدیہ
(۵۶) موقف التمکین والقوۃ
(۵۷) موقف قلوب العارفین
(۵۸) موقف رویتہ (اس کی دید)
(۵۹) موقف حق المعرفت
(۶۰) موقف عہدہ
(۶۱) موقف ادب الاولیاء
(۶۲) موقف اللیل
(۶۳) موقف محضر القدس الناطق
(۶۴) موقف الکشف والبہوت (کشف اور حیرانی)
(۶۵) موقف العبدانیۃ
(۶۶) موقف قف (وقوف کر)
(۶۷) موقف المحضر والحرف
(۶۸) موقف الموعظۃ
(۶۹) موقف الصفح والکرم
(۷۰) موقف المقویت
(۷۱) موقف اقبالہ
(۷۲) موقف الصفح الجمیل
(۷۳) موقف اقشعرار الجلود
(۷۴) موقف العبادۃ الوجہیت
(۷۵) موقف الاصطفاء

(۷۶) موقف الاسلام (سر تسلیم خم کردن)

(۷۷) موقف الکشف (حفاظت)

الہیاتِ تصوّف

نفری کی تعلیمات میں وقفہ کی تعلیم اہم ہے کیونکہ یہ عقیدہ ان کے نظامِ فکر میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے انہوں نے اس عقیدے کو موقف ہشتم میں پوری وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس موقف کو ان کی تعلیم کا خلاصہ کہنا چاہیئے۔

وقفہ کی تشریح

وقفہ علم کا ماخذ اور منبع ہے۔ واقف اپنا علم اپنی ذات سے حاصل کرتا ہے جبکہ اور لوگ خارجی اشیا کے ذریعے سے علم حاصل کرتے ہیں۔ وقفہ ہر قسم کے علم کا محرک ہے لیکن کوئی علم وقفے کا ادراک نہیں کر سکتا۔ وقفہ معرفت کی روح ہے۔ جس طرح معرفت حیات کی روح ہے وقفہ معرفت کا عمود (سہارا) ہے۔ جس طرح معرفت علم کا عمود ہے۔ وقفے میں معرفت اسی طرح محترق (سوختہ) ہو جاتی ہے جس طرح معرفت میں علم محترق (فنا) ہو جاتا ہے۔ وقفہ قرب و بُعد سے وراء ہے۔ معرفت منزلِ قرب میں ہے اور علم، منزلِ بُعد میں ہے۔ وقفہ حق تعالیٰ کی حضوری ہے، معرفت اس کا کلام ہے۔ اور علم اس کے لئے بمنزلہ حجاب ہے۔ پس وقفہ معرفت پر اور معرفت علم پر مقدم ہے۔

وقفہ رویتِ حق کا دروازہ ہے اور واقف کو دنیا اور عقبیٰ کی غلامی سے آزاد کر دیتا ہے۔ وقفہ خدا کا نور ہے جس کے ساتھ تاریکی نہیں رہ سکتی۔ وقفہ گویا خدا کا وہ ہاتھ ہے جو ماسویٰ کو ہلاک کر دیتا ہے وقفہ گویا وہ ریح اللہ ہے جو انسان کو خدا تک پہنچا دیتی ہے۔ تاہم وقفہ خدا کی طرف رہنمائی نہیں کرتا۔ جس طرح معرفت وقفے تک اور علم معرفت تک رہنمائی نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی شے بارگاہِ ایزدی میں کوئی قدر و قیمت رکھ سکتی ہے تو وہ وقفہ ہے اور اگر کوئی شے خدا سے کوئی نسبت یا علاقہ رکھ سکتی ہے تو وہ بھی یہی ہے۔ وقفہ اپنی تجلی کی بدولت خواطر (خیالاتِ ماسویٰ) کو محو کر دیتا ہے اور اسی کی بدولت اقدار کا علم حاصل ہو سکتا ہے۔ وقفہ ماسویٰ اللہ کو فنا کر دیتا ہے۔ کون و مکان کو جلا ڈالتا ہے۔ وقفہ طلسمِ باطل سے رہائی کا نام ہے۔ وقفہ معرفت کو بھی فنا کر دیتا ہے کیونکہ اس کی بدولت سالک کو اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ معرفت بھی غیریت ہے۔ وقفہ اپنے ما سوا ہر شے کو اسی طرح مٹا دیتا ہے جس طرح علم جاہل کو۔ معرفت خدا کے ساتھ اپنے آپ کو بھی دیکھتی ہے لیکن وقفہ صرف خدا کو دیکھتا ہے۔ معرفت بیان و ملفوظ کی حد ہے لیکن وقفہ ہر بیان اور ہر گفتگو سے بالاتر ہے۔ اگر واقف (صوفی) وقفے سے یعنی اپنے مقام سے باہر نکل آئے تو اشیاء کی آفات اسے اس کے مقام

سے محروم کردیں گی۔ جب تک انسان (صوفی) کو ماسوی اللہ سے کوئی دلچسپی باقی ہے اسے یہ مقام (وقفہ) حاصل نہیں ہوسکتا۔ جب ماسوی اللہ فنا ہو جائے تو یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے۔

واقف کی تشریح

نہ تو علما واقف کو مستند سمجھتے ہیں اور نہ واقف علما کو مستند بیان کرتا ہے۔ عارف بھی واقف کے مقام اور اس کی قدر و منزلت کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا۔ لیکن واقف کو عارف کے مقام کا صحیح علم حاصل ہوتا ہے۔ درحقیقت عارف ہی علم اور حکم دونوں کا جامع ہوتا ہے۔ وہ علم کا مشاہدہ کرتا ہے وہ نہ تو جمال سے متاثر ہوتا ہے اور نہ خوف سے دہشت زدہ ہوتا ہے ہر واقف عارف بھی ہوتا ہے مگر ہر عارف واقف نہیں ہوتا۔ واقف مملوکِ خدا ہوتا ہے۔ عارف مملوکِ معرفت ہوتا ہے۔ واقف کا دل خدا کے ہاتھ (قبضے) میں ہوتا ہے، عارف کا دل اس کی معرفت کے قبضے میں ہوتا ہے عارف صاحبِ دل ہوتا ہے مگر واقف صاحبِ عزم ہوتا ہے۔ جب بلاء (آزمائش) کا نزول ہوتا ہے تو وہ واقف کو عبور کر جاتی ہے لیکن عارف کی معرفت پر نازل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح عالم کے علم پر نازل ہو جاتی ہے۔ عالم (نفس کا) غلام ہوتا ہے۔ عارف مکاتب[1] (غلامی سے نجات طلب) ہوتا ہے۔ واقف (حقیقی معنی میں) حر ہوتا ہے۔ واقف فرد ہوتا ہے۔ عارف مزدوج (صاحب دوئی) ہوتا ہے کیونکہ عارف عالم اور معلوم دونوں ہوتا ہے بلکہ واقف صرف عالم ہوتا ہے معلوم نہیں ہوتا۔ عالم اپنے علم کو دیکھتا ہے لیکن معرفت کو نہیں دیکھ سکتا۔ عارف اپنی معرفت کا مشاہدہ تو کر سکتا ہے مگر خدا کا مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ واقف خدا کا مشاہدہ کرتا ہے اور ماسوی اللہ کا مشاہدہ نہیں کرتا۔ عالم اپنے علم کا ذکر کرتا ہے، عارف اپنی معرفت کا تذکرہ کرتا ہے۔ لیکن واقف صرف خدا کا تذکرہ کرتا ہے۔ عالم اوامر و نواہی کا بیان کرتا ہے اور یہی اس کے علم کا مبلغ ہے عارف اللہ کی صفات کا بیان کرتا ہے اور معرفت کی رسائی یہیں تک ہے۔ لیکن واقف خدا کی عبادت کرتا ہے اور ذات حق ہی میں اس کا وقفہ منحصر ہے۔ واقف وہ بھی دیکھتا ہے جو عارف دیکھتا ہے۔ عارف وہ بھی دیکھتا ہے جو عالم دیکھتا ہے۔ جب ایک شخص خدا کی ذات میں واقف ہو جاتا ہے تو خدا علم، معرفت اور حکم تینوں نعمتیں عطا کرتا ہے۔ عارف اپنے علم کی انتہا کو دیکھ سکتا ہے (اس کا علم محدود ہے) لیکن واقف کا علم لامتناہی ہوتا ہے۔ عارف کو شرف مکالمہ حاصل ہوتا ہے مگر واقف بذات خود خدا کے روبرو ہوتا ہے۔ واقف جب تک واصل بحق نہ ہو جائے اسے کسی حال یا مقام میں قرار نہیں آتا۔ وہ ہر شے سے اجتناب کرتا ہے، کسی شے سے واقفیت نہیں کرتا اگر اس کا دل غیر اللہ سے متعلق ہو جائے تو وہ کبھی واقف نہیں بن سکتا۔ اور یہ

[1] مکاتب فقہ کی اصطلاح میں اس غلام کو کہتے ہیں جو اپنے آقا یا مالک سے یہ وعدہ لے لیتا ہے کہ اگر میں تجھے تیری مطلوبہ رقم ادا کر دوں تو تو مجھے آزاد کر دے گا۔

غیراللہ اس سے وابستہ ہو جاتے تو دائم (مستقیم) نہیں ہو سکتا۔ ہر دائم واقف اور ہر واقف دائم ہوتا ہے چونکہ واقف ما مجاز (کون ومکاں) سے آشنا نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔ جو شخص حضرت حق میں واقف ہوتا ہے وہ معارف کو اصنام اور علوم ظاہری کو ازلام سمجھتا ہے۔ واقف کے جسم پر تو موت طاری ہو سکتی ہے مگر اس کی خودی (ذات) پر موت طاری نہیں ہو سکتی۔ صرف واقف ہی آشنائے راز (حقیقت) ہوتا ہے اور حریم ناز کے پردے تک صرف اسی کی رسائی ہو سکتی ہے۔ لیکن ذات کی کامل معرفت کسی انسان کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ واقف سرحد بشریت کو قریب قریب عبور کر جاتا ہے اور صفات کونیہ سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ کون ومکاں کو اس پر قدرت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ نہ وہ کون ومکاں میں ہوتا ہے اور نہ کون ومکاں اس میں ہوتا ہے۔ وہ ہر قسم کی قید اور حد سے وراء ہوتا ہے۔ تغیّر اس پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ خواہشات نفسانی اس میں کوئی حرکت پیدا نہیں کر سکتیں اس میں ہر شے پائی جا سکتی ہے مگر وہ کسی شے میں نہیں پایا جا سکتا۔ وہ اقرب الی اللہ ہوتا ہے۔

(۷) معرفت کی شرح

معرفت کا مطلب یہ ہے کہ سالک کا روحانی حال قائم اور محفوظ رہے۔ ہر وہ شے جو معرفت پر مرکوز ہو معرفت ہی ہے۔ معرفت تفرّد یا فردیت کی زبان ہے۔ جب وہ متکلم ہوتی ہے تو ماسوائے خویش کو فنا کر دیتی ہے اور جب وہ خاموش ہوتی ہے تو ہر معلوم کو محو کر دیتی ہے۔ اگرچہ علم خدا کا دروازہ ہے مگر معرفت اس کی دربان ہے۔ علم وہ ستون ہے جو معرفت کے سہارے قائم ہے اور معرفت وہ ستون ہے جو مشاہدے کی بدولت قائم ہے۔ جب تک معرفت ہے اس وقت تک فکر بھی ہے۔ مشاہدے کا اول (آغاز) فکر کو محو کر دیتا ہے اور اس کا آخر معرفت کو بھی محو (زائل) کر دیتا ہے۔ معرفت وہ آگ ہے جو عشق کو جلا دیتی ہے مگر وقفہ وہ آگ ہے جو معرفت کو بھی بھسم کر دیتا ہے۔ وقفہ سالک پر یہ واضح کر دیتا ہے کہ معرفت بھی غیریت ہے۔ جب سالک خدا کا مشاہدہ کرتا ہے تو علم اور معرفت دونوں رخصت ہو جاتے ہیں۔ معرفت ہر مخلوق کے حق میں موجب کلفت ہے اور ان کی نجات جہل میں ہے معرفت ہر شخص کو نقصان پہنچا سکتی ہے مگر واقف فی اللہ محفوظ رہتا ہے۔ وہ معرفت جس میں جہل (کا عنصر) نہ ہو وہ معرفت ہے جس میں معرفت نہ ہو۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنی معرفت عطا فرماتا ہے تو جملہ معارف کو اس میں فنا کر دیتا ہے۔ اگر کسی کو معرفت حاصل ہو تو پھر اسے کسی شے کی احتیاج لاحق نہیں ہوتی (کوئی حاجت نہیں رہتی)، معرفت عارف سے اس کی قوت گویائی سلب کر لیتی ہے وہ قیل وقال سے وراء ہو جاتا ہے۔ جو شخص حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جانے کے بعد غیراللہ کی معرفت بھی باقی رکھنا چاہتا ہے تو ایسا شخص دراصل منکر خدا ہے کیونکہ غیراللہ سے جس قدر معارف متعلق ہیں وہ عدم علم یعنی نکرہ ہیں۔

عارف کی شرح

عارف خدا کے نشان بان نشان نہیں ہوتا (اس لائق نہیں ہوتا کہ خدا سے ربط پیدا کر سکے) کیونکہ اس کے ذاتی مخفی خیالات بھی اس کی معرفت میں متمکن ہوتے ہیں گویا وہ ایسا بادشاہ ہے جو اپنی بادشاہت سے دست بردار ہونے کو آمادہ نہیں ہے۔ وقفہ ہر عارف سے خدا کا ایک میثاق ہے۔ اگر اسے اس کا علم ہو جائے تو وہ مقام معرفت سے عروج کر کے مقام وقفہ پر فائز ہو جاتا ہے۔ جو شخص واقف نہیں ہے اس کی معرفت اس کے حق میں کارآمد یا مفید نہیں ہے۔ جس طرح جو شخص عارف نہیں ہے اس کا علم اس کے حق میں مفید نہیں ہے۔ علم سے کامیابی اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب عالم عارف ہو جائے۔ عالم تو خدا کی ہستی پر دلائل قائم کرتا ہے مگر عارف خود خدا ہی سے اس کی ہستی کا ثبوت حاصل کر لیتا ہے اسے براہین عقلی کی احتیاج نہیں ہوتی۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب والا مضمون ہو جاتا ہے۔ معرفت خدا کا کلام ہے اور عارف کی سند اس کا کلام ہے۔ لیکن واقف کی سند اس کی خاموشی ہے اور عالم کی سند اس کا علم ہے۔ عارف کا قلب سرمدیت کا مشاہدہ کر سکتا ہے اس کی آنکھ آنات (لمحات) کو دیکھ سکتی ہے اور اس کی روح عوام کی ارواح کی طرح نہیں ہوتی اسی طرح اس کا جسم مادی بھی عوام کے اجسام کی طرح نہیں ہوتا۔

علم کی شرح

علم خدا کے لئے بمنزلہ حجاب ہے کیونکہ وہ رویت کے لئے بمنزلہ حجاب ہے (عقل سے نہ خدا مل سکتا ہے نہ نظر آ سکتا ہے) علم ہر صاحب عقل و فہم کے حق میں ہستی باری کا ثبوت ہے اور عقل علم ہی پر مستقیم حالت میں قائم رہتی ہے۔ علم خدا تک پہنچنے کا دروازہ ہے۔ اور جو شخص خدا کا مشاہدہ کر سکتا ہے اس کے حق میں علم بسا اوقات مضر ہو جاتا ہے (کیونکہ وہ اسے غیر اللہ میں مشغول کر دیتا ہے) علم سراسر غیب ہے اسے حضور سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ علم خدا تک نہیں پہنچ سکتا نہ اس کا ادراک کر سکتا ہے نہ اسے حاصل کر سکتا ہے۔ علم کی روشنی سالک کے نفس کو منور کر سکتی ہے لیکن اسے خدا کا مشاہدہ نہیں کرا سکتی۔ جب تک کسی میں علم باقی ہے افکار، خیالات، خواطر اور وساوس بھی باقی رہیں گے۔ علم سلوک میں ایک واسطے یا وسیلے کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب سالک سفر الی اللہ شروع کرتا ہے تو اسے علم سے بے تعلق ہو جانا چاہیے کیونکہ علم بسا اوقات باعث مزلت اقدام ہو جاتا ہے۔ اگر صاحب رویت (جو خدا کا مشاہدہ کرتا ہے) علم میں مشغول ہو جائے تو اس کی رویت اسی طرح فاسد ہو جائے گی جس طرح شہد سرکے کی آمیزش سے فاسد اور بیکار ہو جاتا ہے وہ علم جس کی بدولت سالک خدا کا مشاہدہ کر سکے وہ علم سراسر سلوک (راہ نما) ہے لیکن وہ علم جس سے وہ خدا کو نہ دیکھ سکے (بلکہ اپنے کو دیکھے) اس کے حق میں سراسر حجاب ہے۔ جب صوفی خدا کا مشاہدہ کرتا ہے تو علم اور معرفت دونوں زائل ہو جاتے ہیں اگر وہ خدا کو نہ دیکھ سکے تو اس کا علم اس کی حکمت اور اس کی عقل حسب

بیکار ہیں۔ جب تک سالک اور اس کے علم کے درمیان حجاب پیدا نہ ہو جائے وہ خدا کا مشاہدہ نہیں کر سکتا۔

عالم کی تشریح — عالم خدا کی ہستی پر براہین عقلی قائم کرتا ہے مگر براہین اس کی ذات یا ہستی کو ثابت کرتی ہے خدا کو ثابت نہیں کرتی۔ جب تک عالم فنا نہ ہو، جہل فنا نہیں ہو سکتا۔ علماء تین قسم کے ہوتے ہیں (ا) ایک وہ جن کی ہدایت دل میں ہوتی ہے (ب) دوسری وہ جن کی ہدایت سماعت میں ہوتی ہے (ج) تیسرے وہ جن کی ہدایت ان کے علم میں ہوتی ہے۔ علماء خدا کی اطاعت کی طرف تو رہنمائی کر سکتے ہیں لیکن اس کی رویت کی طرف رہنمائی نہیں کر سکتے۔

۴۔ رویت اور غیبت — نفری نے اپنی کتاب میں دو اصطلاحوں رویت اور غیبت کا اکثر مقامات میں موازنہ کیا ہے۔ ان حالتوں کے بارے میں جو کچھ انہوں نے لکھا ہے، اس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

رویت — وقفہ رویت کا دروازہ ہے۔ جب واقف حالت رویت باری تعالیٰ سے خروج کرتا ہے تو اس پر حالت فنا طاری ہو جاتی ہے۔ رویت باری تعالیٰ کی حالت میں ذکر باری تعالیٰ سراسر غلط کاری ہے تو غیر اللہ کی رویت کے ساتھ ذکر کرنا کس قدر غلط ہوگا! صوفی رویت باری میں وقوف (قیام) نہیں کر سکتا جب تک وہ حرف یعنی تعین اور محروف یعنی متعین کی سرحد سے باہر نہ نکل جائے اور جب تک حجاب باری کو رویت اور رویت باری کو حجاب نہ دیکھے۔ صوفی کا مقام رویت (مشاہدۂ ذات) ہے اور جب تک وہ رویت میں قیام (وقوف) نہیں کرتا، مظاہر کونیہ اسے اس سے غافل کر دیں گے (اورا ازو خواہند ربود) کیونکہ رویت باری ہی صوفی اور اشیاء کائنات کے درمیانی علاقہ کو قطع کر سکتی ہے اور جب صوفی خدا سے غائب ہو جائے گا یا خدا صوفی (کے دل) سے غائب ہو جائے گا تو اشیاء کائنات صوفی کے سامنے حاضر ہو جائیں گی۔[1] رویت باری قلب سالک کو استقامت عطا کرتی ہے اور ماسوی اللہ کو دل سے محو کر دیتی ہے۔ نیز رویت کی بدولت رائی اور مرئی (ناظر اور منظور) میں عینیت متحقق اور کامل ہو جاتی ہے۔ حضرت (حضور) کا دروازہ ہے۔ رویت میں خدا اسماء کو متحقق کرتا ہے مگر حضرت میں ان کو محو کر ڈالتا ہے۔ رویت علم دیمومت (ہمیشگی) ہے اور جو شخص اس علم کا اتباع کرتا ہے وہ صدیت پر غالب آجاتا ہے۔ کیونکہ رویت میں ضد نہیں ہے۔ رویت میں نہ تکلم ہے نہ خموشی۔ نہ تنویر ہے نہ ظلمت۔ رویت کا مفہوم یہ ہے کہ سالک ہر شے میں اللہ ہی کو دیکھتا ہے اور غیبت یہ ہے کہ سالک کسی شے میں خدا کو نہ دیکھے (بلکہ شے کو دیکھے) رویت صرف برگزیدہ افراد کو نصیب ہوتی ہے۔ عوام حالت غیبت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ حضور کی لذت سے بے خبر رہتے ہیں۔ دنیا اور عقبیٰ دونوں غیب ہیں۔ رویت (حضور) نہ یہ (دنیا) ہے نہ وہ (عقبیٰ)۔ رویت

[1] حضوری گر ہمی خواہی ازو غافل مشو حافظ

۱۷

کی حالت میں خدا سے کوئی التجا جائز نہیں سوائے التجا کے کہ اللہ سالک کو کن فیکونی طاقت عطا فرمائے کیونکہ اگر کسی کو یہ حالت (حضور) نصیب ہو جائے تو خدا اسے کائنات پر قدرت عطا فرما دیتا ہے۔ اس دنیا میں رویت کا حصول عقبیٰ میں رویت کا ذریعہ ہے اور جو شخص اس دنیا میں خدا کو نہ دیکھ سکے وہ عقبیٰ میں[1] نہ دیکھ سکے گا۔

غیبت غیبت کا مفہوم یہ ہے کہ سالک کسی شئے میں خدا کو نہ دیکھے۔ خدا سے غائب ہونے کی حالت میں اگر کوئی شخص خدا سے التجا کرتا ہے تو وہ اس شخص کی مانند ہے جو معرفت سے محروم ہے غیبت کی حالت میں خدا سے التجا کرنا جائز ہے۔ غیبت اور نفس امّارہ تیز رفتار گھوڑوں کی مانند ہیں جو کسی گاڑی میں جتے ہوئے ہوں۔ جب غیبت کارفرما ہوتی ہے تو رویت فنا ہو جاتی ہے۔ غیبت دراصل حجاب ہے جو خدا اور بندے میں حائل ہو جاتا ہے۔ غیبت دنیا اور عقبیٰ میں مومن کے لئے بمنزلہ قید خانہ ہے۔ دنیا میں غیبت خدا کا اظہار نفرت ہے اور عقبیٰ میں حجاب ہے۔ اگر حالت غیبت میں سالک یاد خدا سے غافل ہو جائے گا تو ماسوی اس پر غالب آجائے گا اور اس حالت میں وہ خدا کی تائید و توفیق سے محروم ہو جائے گا۔

(۴) نفری نے اکثر مقامات میں غیر اور غیریت کی ماہیت بیان کی ہے اور ہر جگہ غیریت (ماسوی اللہ) کو باطل یا مجاز کا مترادف قرار دیا ہے اور اسے "سوی" "غیر" "حرف" اور "کون" سے تعبیر کیا ہے ذیل میں ان اصطلاحات کی وضاحت کی جاتی ہے۔

ماسوی اگر صوفی خدا کے ساتھ نہیں ہے تو یقیناً ماسویٰ میں گرفتار ہو جائے گا اور جب تک اس کے لئے غیر اللہ میں کوئی کشش باقی ہے وہ وقفہ کا تجربہ یا مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ معرفت کے ساتھ غیریت کو جمع کرنے سے معرفت فنا ہو جائے گی صرف غیریت باقی رہ جائے گی۔ اگر سالک یادِ خدا میں محو ہو جائے تو غیریت فنا ہو جائے گی۔ سالک کو لازم ہے کہ شدید مجاہدات کی بدولت غیر اور غیریت دونوں کے احساس کو فنا کر دے[2]۔ خدا کے ساتھ ساتھ غیر اور غیریت کا قیام ناممکن ہے۔ سالک کو اپنے نہاں خانۂ قلب کو اغیار سے پاک کرنا لازمی ہے۔ ایک مکان میں دو مختلف خاندان کیسے رہ سکتے ہیں۔ اگر غیریت سالک کے پیچھے پیچھے چلے تو اچھی بات ہے۔ لیکن اگر سالک غیریت کے درپے ہو جائے تو یہ اس کی شامت کے آثار ہیں۔ اگر سالک غیریت کو اپنا متبوع نہیں بنائے گا تو یقیناً اس کا تابع ہو جائے گا اور منزل مقصود سے کوسوں دور ہو جائے گا۔ اگر سالک کی حالتِ توجہ (جمع) بذریعہ غیریت ہو تو دراصل وہ حالت، حالت توجہ (جمع) نہیں ہے بلکہ حالتِ فراق یا جدائی ہے۔

---

[1] من کان فی هذه اعمی فهو فی الآخرة اعمی

[2] کجا غیر و کو غیر و کو نقش غیر　　سوی اللہ واللہ ما فی الوجود

(جسے اصطلاح میں "فرق" کہتے ہیں) جب تک غیریت کا شائبہ بھی سالک کے دل میں باقی رہے گا، وہ اس کا غلام رہے گا اور اللہ سے دور رہے گا۔ جو شخص مومن ہونے کا مدعی ہو وہ اگر غیراللہ کو یاد کرے یا اسے پکارے تو وہ شخص پکا کافر ہے[1]۔ کون بھی غیریت ہے اور غیراللہ "حرف[2]" ہے اور ہر "حرف" غیراللہ ہے۔ خدا کا سچا بندہ وہ ہے جو غیراللہ کے خیال و تصور سے بکلی آزاد ہو جس کے دل میں غیراللہ کا تصور بھی نہ آسکے۔ خدا کا معتمد علیہ اور مخلص بندہ وہ ہے جو تمام غیراللہ کو اللہ کے حوالے کر دے (اپنے پاس غیراللہ کی نوع یا جنس سے ایک ذرہ بھی نہ رکھے) خدا صرف اس شخص کو اپنا رفیق یا ولی قرار دیتا ہے جو غیراللہ سے نہ کوئی سروکار رکھتا ہے اور نہ اس کی دعوت پر لبیک کہتا ہے۔ رویت میں غیریت گناہ کبیرہ ہے۔ غیراللہ کے وسیلے سے اگر کسی کو نعمائے (مثلاً مال، زر، فرزند وغیرہ) حاصل بھی ہو جائے تو اسی غیراللہ کے سبب سے وہ ان سب فانی نعماء سے بھی محروم ہو جائے گا اور بوقت وفات کف افسوس ملے گا۔

غیر　اگر سالک غیراللہ کو دیکھتا ہے یا دیکھ سکتا ہے تو وہ خدا کو نہیں دیکھ سکتا۔ اگر سالک بواسطہ غیراللہ اللہ سے آشنا ہوا ہے تو وہ درحقیقت اجہل الجہلا ہے کیونکہ درحقیقت اللہ کے سوا کوئی موجود ہی نہیں ہے۔ چنانچہ موقف ۱۸ میں یوں لکھا ہے:

"وقال لی انظر الی وجهی فنظرت فقال لیس غیری فقلت لیس غیرک"

اس (خدا) نے مجھ سے کہا "میرے چہرے کی طرف دیکھ" پس میں نے دیکھا اس نے کہا "میرا غیر موجود نہیں ہے" پس میں نے کہا "تیرا غیر موجود نہیں ہے"

غیراللہ کو دیکھنا گویا اس کی بندگی کرنا ہے۔ جو عمل خدا کے لئے محض اس کی خاطر کیا جائے وہ واقعی خدا کے لئے ہوتا ہے لیکن جو عمل خدا کے لئے بوجہ غیراللہ کیا جائے وہ دراصل غیراللہ کے لئے ہوتا ہے۔ اگر خدا کسی کے دل سے رخصت ہو جائے تو وہ دل یقیناً غیراللہ کی عبادت کرنے لگے گا۔ لیکن ولی اللہ کے پاس اللہ کے سوا کوئی نہیں ہوتا۔ اگر خدا کسی سالک کی پکار کا جواب دے دے تو پھر جب تک وہ سالک زندہ ہے غیراللہ کی پکار نہیں سن سکتا۔ اگر سالک غیراللہ کی طرف راغب ہو جائے تو خدا غائب ہو جائے گا۔

حرف　حرف خدا کا خزانہ ہے اور جو شخص اس میں داخل ہو جائے وہ خدا کا امین بن جاتا ہے۔ حرف خدا کی آگ ہے۔ اس کی قدر ہے، اس کی قضا ہے اور اس کے اسرار کا خزانہ ہے۔ ہر ذی عقل خدا کا برگزیدہ ہے اور اس کے حروف سے مرکب ہے جو خدا کے ساتھ ہیں وہ جانتے ہیں کہ خدا بذریعہ حروف اپنی ابدیت کو

---

[1] قرآن حکیم نے ان لوگوں کو "اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا" کے زمرے میں شمار کیا ہے۔ اسی لئے نفری نے بھی انہیں کافر قرار دیا ہے اور یہی حقیقی اسلامی تصوف ہے (مؤلف)

[2] آگے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

ظاہر کرتا ہے۔ وہ حرف بھی جس کے واسطے سے حروف موجود ہوتے ہیں، خدا کی صفاتِ محمودہ کا ہمسر نہیں ہے اور اگر تمام قیل و قال ایک حرف میں مجتمع ہو جائے اور پھر اس حرف کو خدا سے مربوط کر دیا جائے تو بھی وہ خدا کی حمد بیان نہیں کر سکتا اور نہ اس کا قرب حاصل کر سکتا ہے جب تک سالک حرف سے باہر نہ نکل جائے وہ ربوبیتِ خدا میں قیام نہیں کر سکتا۔ حرف (قال) ایک حجاب ہے اور علم بھی ایک حرف ہی ہے۔ جب تک سالک حرف کو پس پشت نہ ڈال دے اس وقت تک وہ ترقی نہیں کر سکتا کیونکہ حرف میں شک اور چکوگی پوشیدہ ہے۔ حرف مخزنِ ابلیس ہے (موقف ۶۷ فقرہ ۲۸) حرف خدا کو نہیں بیان سکتا۔ حرف اپنے آپ کو نہیں جانتا تو وہ خدا کو کیا جانے گا؟ حرف کو شرفِ حضور حاصل نہیں ہو سکتا۔ اہلِ حضور حرف سے بالاتر ہوتے ہیں۔ بلکہ اسے مٹا دیتے ہیں جو حرف سے بالاتر ہو جائے وہی حضورِ حق میں باریاب ہو سکتا ہے۔ جب تک سالک اپنے آپ سے دور نہ ہو جائے حرف سے دور نہیں ہو سکتا اور جب تک حرف (قیل و قال) سے دور نہ ہو قربِ خدا حاصل نہیں ہو سکتا

کون کون ایک موقف ہے اور کون کا ہر جز ایک موقف ہے۔ کون سراپا غیریت ہے۔ اگر سالک کون سے وابستہ ہو جائے تو خدا اسے قبول نہیں کرے گا۔ جو شخص کون سے وابستہ ہے اس پر کون وارد ہو جاتا ہے۔ لیکن جب سالک قربِ خدا حاصل کر لیتا ہے اور خدا میں قائم ہو جاتا ہے تو وہ کون اور کونیت سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ربوبیتِ باری کون کو محو کر دیتی ہے۔ وقفہ کون کے حق میں بمنزلہ نار ہے۔ نعمائے ایزدی کون و مکاں میں نہیں سما سکتیں۔ کون کو خود اپنی تکوین کی خبر نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ کون بمنزلہ گیند ہے اور علم بمنزلہ میدان ہے "تو" یعنی غیر کا تصوّر ہی تمام کون (ومکاں) کا مفہوم اور معنی ہے۔

(۵) نفری نے عقیدہ معنی اور اسم پر جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے :۔

معنی نفری کی تعلیم یہ ہے کہ "تو" تمام کائنات مشہود کا معنی یا مفہوم ہے۔ یہ معنی زمین و آسمان سے بھی زیادہ قوی ہے۔ وہ (معنی) بغیر نگاہ مشاہدہ کرتا ہے اور بغیر سمع ہر آواز کو سنتا ہے۔ وہ کسی مکان میں مکین نہیں ہے۔ کسی پھل یا میوے کو نہیں کھاتا۔ رات اسے پوشیدہ نہیں کر سکتی۔ قوتِ مدرکہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ وہ علل و اسباب سے متعلق نہیں ہے۔ معنی خدا کا مخلوق ہے اور خدا معنی سے وراء الوراء ہے (موقف ۱۴ فقرہ ۸)

خدا اپنی مخلوقات کو ظاہر کرنا چاہتا ہے اور ان میں اور ان کے ذریعہ سے جو چاہتا ہے ظاہر کرتا ہے۔ خدا مخلوقات کی معنویت میں حاضر ہے اور اس نے مخلوقات میں نظم قائم کیا ہے جو ان کی معنویت اور ان کے درمیان بطور حجاب ہے اور ہر شئے کی حد مقرر کی ہے، جو اشیا اور اس کی مشیّت کے درمیان حجاب ہے۔ ہر روحانی معنویت اس لیئے روحانی بنائی گئی ہے کہ اس سے فعل سرزد ہو سکے اور ہر کمیت کو اس لئے کمیت دی گئی ہے کہ وہ مخلوق ہو سکے۔

سکے جہانِ فانی کے سارے ذرّے جو اتنی شکلوں میں جلوہ گر ہیں   خدا کی ہستی کے سب ہیں شاہد اور اپنی ہستی سے بے خبر ہیں

ہر شے کی معنویت اس شے کا اظہار کرتی ہے اور ہر شے کی گفتگو بوقت گفتگو اس کے لئے بمنزلہ حجاب ہے۔
(موقف ۵۶ - فقرہ ۴)

دنیا دو سطحوں پر قائم ہے۔ اس کی بالائی سطح ارواح اور انوار ہیں۔ سطح زیریں اجسام اور ظلمات ہیں۔ کلیت (TOTALITY) کا تعلق سطح زیریں سے ہے۔ لیکن جب وہ انسان سے متعلق ہوتی ہے تو اس کا تعلق سطح بالا سے ہو جاتا ہے۔ انیت اور ہویت کا تعلق کلیت سے ہے۔ خدا کی ہویت نے مظاہر (کائنات) کو بواسطۂ معنویت ظاہر کیا ہے۔ اور مظاہر میں عوالم سکونت کو ظاہر کیا ہے۔ پھر معنویت نے سکونت پر تجلی کی، تو سکونت فنا ہو گئی اور معنویت باقی رہ گئی۔ معنویت کا تعلق سطح بالا سے ہے اور انسان کا مقام عالم روحانی اور عالم مکانی (سکونتی) کے درمیان ہے (موقف ۷۹ فقرہ ۱۲)

ہر شے کا ایک شجرہ ہے۔ حروف کا شجرہ اسماء ہیں۔ اگر اسما سے قطع نظر کر لی جائے تو معانی سے تعلق قطع ہو جائے گا۔ اس وقت انسان خدا کی معرفت کا اہل بن جائے گا (موقف ۱۳ فقرہ ۱۴) اگر تو اپنے معنی سے جدا ہو جائے تو اپنے اسم سے دور ہو جائے گا اور اگر تو اپنے نام سے دور ہو جائے تو اسم باری میں داخل ہو جائے گا۔ تمام ماسوی اللہ اپنے مفہوم یا معنی میں مقید و منحصر ہے اور ہر شے کا معنی اس کے اسم میں مقید ہے پس اگر تو اپنے معنی اور اسم سے دور ہو جائے تو وہ شخص جو اپنے مفہوم اور اسم میں مقید ہے، تجھ تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہر شے کا ایک اسم لحق ہے اور ہر اسم میں مختلف اسمائ ہیں۔ اسما اسم سے منفصل ہو جاتے ہیں اور اسم معنی سے جدا ہو جاتا ہے (موقف ۱۸ فقرہ ۱۴) خدا نے حروف کو اپنی صفات سے مربوط کر دیا ہے۔ اور تمام موجودات صفات کے رابطے سے موجود ہوتی ہیں۔ ایک ناقابل بیان صفت اس ارتباط پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اور اس کے واسطے سے معانی متحقق ہوتے ہیں اور پھر اسماء ان معانی سے وابستہ ہو جاتے ہیں (موقف ۶۳ فقرہ ۹)

اسم حروف اسماء میں داخل ہے (اسماء حامل حروف ہوتے ہیں) اور اسم جوہر ذات میں داخل ہے۔ اسماء حروف کے لئے بمنزلہ نور ہیں اور مسمیٰ اسماء کے لئے بمنزلہ نور ہے۔ علم اور معلوم دونوں اسماء میں ہیں اور شرط اور مشروط علم میں ہیں۔ اسم معدن علم ہے اور علم معدن جملہ اشیا ہے۔ اسم علم کو محو کر دیتا ہے اور علم معلوم کو محو کر دیتا ہے اور مسمیٰ اسم کو محو کر دیتا ہے۔ (مخاطبات ۱۷ خطاب ۱۲)

خدا کے اسماء ثابت ہیں اور اس نے ان کو بطور خود اپنی ذات پر عاید کر دیا ہے۔ اس کا اسم ذات اور اسماء یہ سب انسانوں کے پاس اس کی امانت ہیں۔ پس انسان کو لازم ہے کہ اس امانت کو اپنے آپ سے دور نہ کرے ورنہ خدا اس کے دل سے رخصت ہو جائے گا (وہ خیانت کرنے والوں سے نفرت کرتا ہے) مخاطبات ۱۷ خطاب ۷) خدا نے جس جس جگہ اپنے نام کو متعین کیا ہے سالک کو بھی اسی جگہ اپنے نام کو متعین کرنا

لازم ہے کیونکہ جب خدا کسی سالک کو اپنے اسماء میں سے کسی اسم کا امین بناتا ہے اور سالک کا قلب خدا کو اس نام سے مخاطب کرتا ہے تو خدا اسے اس اسم کا مشاہدہ کرا دیتا ہے (موقف ۵/۱۱) جب ایک سالک خدا کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کے اسم کا مشاہدہ نہیں کرتا تو وہ اپنے آپ کو خدمت خداوندی کے لئے مخصوص کر سکتا ہے۔ کیونکہ اب وہ عبد اللہ بن گیا ہے لیکن جب وہ خدا کے ساتھ اس کے اسم کا مشاہدہ بھی کرتا ہے تو خدا اس پر غالب آجاتا ہے اور جب وہ اسم باری کا مشاہدہ کرتا ہے اور ذات باری کا مشاہدہ نہیں کرتا تو پھر وہ یا اس کے اعمال شایان خدا نہیں ہیں کیونکہ وہ "عبد اللہ" نہیں ہے (عبد اللہ وہ ہے جس نے ذات باری کا مشاہدہ کر لیا ہو) (موقف ۳۱ فقرہ ۵)

پس سالک کو لازم ہے کہ اپنا نام خدا کے حوالے کر دے اور اپنے آپ اور خدا کے درمیان کسی نام یا علم کو حائل نہ کرے۔ کیونکہ اے سالک! تیرا علم ہی تیرے حق میں حجاب اکبر ہے اور تیرے اسماء ہی تیرے حق میں حجاب اکبر ہیں (موقف ۶۵-۸) اے سالک! جب خدا تجھے عالم اسماء سے خارج کرتا ہے تو تجھے اپنا حکم (اقتدار) عطا فرماتا ہے۔ یاد رکھ خدا سے جدا ہو کر کسی نام میں کوئی اختیار یا اقتدار نہیں ہے (موقف ۲۲ فقرہ ۱۰)

تبصرہ یہ ایک مختصر خاکہ ہے۔ امام نفری کی تعلیمات کا جو کتاب المواقف اور کتاب المخاطبات سے ماخوذ و مقتبس ہے۔ یہ دونوں کتابیں میری رائے میں انتہائی ٹیکنیکل ہیں۔ جب تک کسی شخص کو یہ مقام حاصل نہ ہو جاتے یعنی وہ خود ان احوال و مقامات سے نہ گزرے وہ ان کو کما حقہ نہیں سمجھ سکتا۔

قلت صفحات کی وجہ سے نہ میں ان دونوں کتابوں کا ترجمہ درج کر سکتا ہوں نہ کسی موقف کی شرح سپرد قلم کر سکتا ہوں۔ ہاں اتنا اشارہ کر سکتا ہوں کہ نفری نے چوتھی صدی ہجری میں جو واردات قلبی بیان کی تھیں ان کی صدائے بازگشت ہم اقبال کے کلام کے ذریعے سے چودھویں صدی ہجری میں سن رہے ہیں۔ گذشتہ ایک ہزار سال میں ہر صوفی نے اپنی مشاہدات و مکاشفات کو مختلف الفاظ میں بیان کیا ہے اور جنید ہوں یا حلاج، نفری ہوں یا شیخ اکبرؒ، عطار ہوں یا رومی، عراقی ہوں یا جامی، بیدل ہوں یا اقبال سب کی تان یہیں آکر ٹوٹتی ہے کہ "لا موجود فی الحقیقۃ الا اللہ"۔ چنانچہ عصر حاضر میں اقبال نے نفری ہی کی اتباع میں یہ کہا:-

چناں مومن کند پوشیدہ را فاش
ز "لا موجود الا اللہ" دریاب (ارمغان حجاز)

آخر میں مواقف میں سے موقف ششم کا اور مخاطبات میں سے مخاطبہ پنجاہ و ششم کا ترجمہ ذیل میں درج کرتا ہوں تاکہ قارئین نفری کے افکار سے براہ راست آگاہ ہو سکیں۔ میری رائے میں ان اقتباسات سے ان دونوں کتابوں

کی روح سے قدرے شناسائی ہو سکتی ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔ (جاری ہے)

جماعت اسلامی

- کن مقاصد کے تحت قائم ہوئی تھی ؟
- آزادی سے قبل اس کے نظریات کیا تھے ؟
- قیام پاکستان کے بعد اس نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا اور
- اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے ؟

جماعت کے ماضی و حال کا ایک تاریخی تجزیہ جماعت کے سابق کارکن کے قلم سے

تحریک جماعت اسلامی

ایک تحقیقی مطالعہ

تالیف: ڈاکٹر اسرار احمد ایم اے، ایم بی بی ایس

سابق ناظم اعلیٰ اسلامی جمعیۃ طلبہ و امیر جماعت اسلامی ساہیوال

ضخامت ۲۳۶ صفحات ، سائز بڑا ، طباعت آفسٹ

مجلد مع گرد پوش : قیمت چار روپے

علاوہ محصول ڈاک

دار الاشاعت الاسلامیہ اسلام پورہ (سابق کرشن نگر) لاہور